عن عائشة رضي الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في رمضان ما لا يجتهد في غيره رواه مسلم

الحمد لله الذي

من علينا بتاليف هذه الرسالة النافعة التي هي للاوهام والشبهات دافعة
في اثبات ان عشرين ركعات في صلوة التراويح مأثورة عن السلف الصالحين
من الصحابة والتابعين ومعمولة عند المجتهدين والمحدثين ومن سلك مسلكهم من
العلماء العاملين المسماة

بتنوير المصابيح لركعات التراويح

مردفة برسالة اخرى في تحقيق الخطبة من انها لا تكون الا
لاضعف العباد
واحوجهم الى رحمة ربه الخفي محمد يوسف ال
غلام رسول غفر الله له ولوالديه
واحسن اليهما واليه

بمطبع كريمي پريس لاهور باهتمام مير قدرت الله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی فضل شہر رمضان علی سائر الشہور بمزید الشرف و الاکرام
وانزل فیہ الکتاب علی سید الخلق صاحب المقام وجعل صیامہ علینا فریضۃ
وقیامہ تطوعا وعم فیہ بالانعام والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد المبعوث
الی کافۃ الانام وعلی آلہ الکرام واصحابہ العظام الذین احیوا سنتہ واوضحوا
طریقتہ فہم نجوم الہدی ومصابیح الظلام ﴿اما بعد﴾ فیقول العبد
الضعیف العائذ باللہ اللطیف من موجبات التلہف والتعسف المدعو

سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہیں جس نے فضیلت دی ماہ رمضان کو تمام مہینوں پر زیادہ
شرف واکرام سے۔ اور نازل کیا اُسی مہینے میں قرآن مجید اوپر سردار تمام مخلوقات صاحب مقام
محمود کے۔ اور فرض کر دیا ہم پر اس مہینے میں روزہ رکھنا اور اس مہینے کی شب بیداری
(نماز تراویح) نفل کر دیا۔ اور عام کیا اسمیں اپنا انعام۔ اور درود وسلام ہو اسکے پیغمبر حضرت محمد پر
جو کہ تمام لوگوں کے طرف بھیجے گئے ہیں اور اُنکے آل کرام و اصحاب عظام پر جنہوں نے انکی سنتکو
زندہ کیا۔ اور اُنکے راستے کو روشن کیا۔ پس وہی حضرات ہدایت کے ستارے اور اندھیری کے
چراغ ہیں ﴿امابعد﴾ پس کہتا ہے بندۂ ضعیف جو کہ پناہ مانگنے والا ہے خداوند
لطیف کو اسباب ندامت وحسرت اور اسباب کجروی سے جس کا نام

بحمد یوسف الحنفی الکشمیری تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی ابن العالم الماہر فی المعقول والمنقول الجامع بین الفروع والاصول مولنا الحافظ الواعظ غلام رسول برد اللہ مضجعہ ورفع قدرہ ان قیام اللیل فی رمضان سنۃ ثابتۃ بالاحادیث الصحیحۃ عند الفقہاء والمحدثین وانّہ غیر التہجد عند الاکثرین الا انہم اختلفوا فی توقیت رکعاتہ فیما بین ثمان۔ وعشرین وست وثلثین۔ واربعین۔ وانّ الراجح المعمول فیہ عند ائمۃ الدین من المجتہدین والمحدثین عشرون رکعۃ کما سیظہر لذی الفہم السلیم فی ہذا الجزء اللطیف الثمین۔ وقد انکر ذلک فی ہذا الزمان شرذمۃ قلیلۃ من العوام الذین یہربون عن اتباع السلف الصالحین ویقلدون لبعض المستحدثین

محمد یوسف حنفی کشمیری خداوند کریم درگذر کرے اسکے سب گناہوں کو جو کہ بیٹا ہے عالم و ماہر معقول و منقول جامع درمیان فروع و اصول مولینا مولوی حافظ واعظ غلام رسول۔ خداوند کریم ٹھنڈک دے انکی قبر کو اور انکی قدر کو بلند کرے۔ کہ قیامِ رمضان یعنی (نماز تراویح) ماہ رمضان میں سنت ہے جو کہ احادیث صحیحہ سے فقہاء و محدثین کے نزدیک ثابت ہے اور یہ کہ نماز تراویح کو نماز تہجد سے کوئی تعلق نہیں ہے اکثر علماء کے نزدیک۔ صرف علماء کو نماز تراویح کی رکعات میں آٹھ اور بیس اور چھتیس اور چالیس میں اختلاف ہے۔ اور یہ کہ راجح اور معمول تراویح میں ائمہ دین مجتہدین و محدثین کے نزدیک بیس رکعتیں ہیں۔ چنانچہ عنقریب وہ بات ظاہر ہو جائیگی اہل فہم پر اس عمدہ رسالہ میں۔ چونکہ آجکل ایک تھوڑی سی جماعت عام لوگوں میں سے اس سے انکار کرتے ہیں جو کہ اتباع سلف صالحین سے بھاگ کر اپنے ہمعصر لوگوں کی تقلید کرتے ہیں

المعاصرين علی غیر بصیرۃ تقلید جامد اً وماهم بجنب المجتهدين المتبعين الا کعصافیر فضا فوقها بجنب الناطقين وجعلوا يصرون علی ان قيام رمضان انما هو ثمان رکعات والزائد علیها بدعۃ بلا اصل يعتمد علیه فی الاثبات وبعضهم ینزل منه ويقول ان الثمان ثابتة بالسنة والزائد وان ثبت فهو بدعة عمرية (العياذ بالله) فلما اورثوا بتلك الاقوال شبهة فی بعض کسالی القوم حتی تخلفوا معهم عن القيام فی شهر الصيام کتبت فی العام الماضی شيئاً مختصراً فی هذا الباب مجيباً لاستفتاء بعض الاحباب موضحاً بان القول المعتمد الصحيح انما هو عشرون رکعة فی صلوٰۃ التراويح۔ فاستحسنه الناظرون المنصفون والحوا علیّ

تقلید جامد جو کہ بغیر دیکھے بھالے تقلید جامد ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ لوگ جنکی تقلید وہ کرتے ہیں انکو حضرات مجتہدین کے ساتھ کوئی نسبت نہیں مگر ایسی نسبت جو کہ ایک چڑیا بلکہ اس سے حقیر جانور کو ایک فصیح و بلیغ عالم کے ساتھ ہے۔ اور وہ لوگ اصرار کرنے لگے کہ تراویح میں آٹھ ہی رکعتیں سنت ہیں اس سے زاید سب بدعت اور بالکل بے اصل و بے دلیل اور ناقابل اعتماد ہے۔ اور بعض انمیں سے ذرا نیچے اتر کر کہتے ہیں کہ آٹھ رکعتیں تو سنت ہیں اور اُسسے زائد رکعتیں مثلاً بیس رکعت وغیرہ اگر ثابت بھی ہو جاویں تو بھی بدعت عمریہ ہی ہوگا (العیاذ باللہ) پس جبکہ اُن بے باک لوگوں نے ایسی بیہودہ اور جاہلانہ باتوں سے بعض کاہل الطبع اور نفس پرست لوگوں کے دلوں میں شک اور شبہہ ڈالا تا اینکہ وہ انکے ہمراہ رمضان المبارک میں تراویح سے پیچھے رہکر ثواب عظیم سے محروم رہے۔ تو میں نے گذشتہ سال تراویح کے بیس رکعت ہونے کے اثبات میں بعض احباب کے استفتاء پر کچھ مختصر مضمون لکھا تھا جسمیں میں نے بدلایل ظاہر کردیا تھا کہ تراویح میں قابل اعتماد اور صحیح قول سوا بیس رکعات کے کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ اسکو منصف مزاج دیکھنے والوں نے پسند کیا۔ اور وہ مجھے اس بات پر اصرار کرنے لگے

ان اجمع لہم اقوال الائمۃ والمحدثین والفقہاء المتقدمین والعلماء العاملین لیکون
تنبیانا لمن یرید البیان فرغبنی بعض الکرام فی انجاح ماٴمولہم واعطاء مسئولہم فما
وسعنی الا الاجابۃ لذلک فانتصبت لتالیف ہذہ الرسالۃ التی سمیتہا **تنویر
المصابیح لرکعات التراویح** بسطت القول فیہا بسطا شافیا وحررت الدلائل
تحریرا وافیا واللہ اسال ان ینفع بہ العباد ویہدیہم سبیل الرشاد وسالحق
بہا ضمیمۃ فی تحقیق الخطبۃ من انہا لا تکون الا بالعربیۃ وما اخترعوا فیہا من
الترجمۃ لہا وتناشد الاشعار والقصص فیہا بدعۃ وخلاف السنۃ بلا مریۃ
فالآن اشرع فی المطلب الاصلی متوکلا علی اللہ العلی واقول ان اصل قیام

کہ میں انکی خاطر اس مسئلہ میں مزید دلایل اور ائمہ دین و محدثین و فقہاء متقدمین اور علماء
عاملین کے اقوال کو ایک رسالہ کی صورت میں جمع کروں۔ تا طالب حجت و دلیل کیلئے برہان قاطع ہو
اور ایک مکرم و محترم بزرگ نے بھی مجھے اُنکے مقصد و مطلب پورا کرنے کیطرف توجہ و رغبت دلائی پس
مجھسے سوائے تعمیل انکے ارشاد کے کچھ نہو سکا۔ پھر میں تالیف رسالہ ہذا کیلئے مستعد ہوا۔ جسکا نام میں نے
تنویر المصابیح لرکعات التراویح رکھا۔ اور میں نے بحمد اللہ اس رسالہ میں شرح و بسط کیساتھ تمام
دلایل اور اقوال لکھدئے۔ اور اللہ سے ہی سوال کرتا ہوں کہ اس رسالہ سے اپنے بندوں کو نفع پہنچائے
اور انکو راہ راست کیطرف رستہ دکھائے اور میرا ارادہ ہے کہ اس رسالہ کے آخر میں ایک مضمون
بطور ضمیمہ خطبہ کی تحقیق میں لکھوں جسمیں یہ بات ثابت کیجائیگی کہ خطبہ سوائے عربی زبان کے اور
کسی زبان میں نہونا چاہیئے۔ اور جو کچھ آجکے ہوا پرست مخترعوں نے از بس جہل خطبہ کا ترجمہ پڑھنا ایجاد
کیا ہے۔ اور اُسمیں شعر اور قصے بیان کرتے ہیں سب بدعت و خلاف سنت ہے پس میں اب مطلب
اصلی میں خداوند برتر پر توکل کرتا ہوا شروع کرتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ اصل قیام رمضان یعنی نماز تراویح

رمضان ثابت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالاحادیث الصحیحۃ فمنہا ما
اخرجہ البخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ انہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یقول من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ ومنہا
ما اخرجہ البیہقی رحمہ اللہ عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ انہ قال خطبنا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اٰخر الحدیث وقال فیہ جعل اللہ صیامہ فریضۃ وقیام لیلہ
تطوعا قال الحافظ ذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح ومنہا
ما رواہ احمد وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ
انہ قال صمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یقم بنا شیئا من الشہر حتی بقی سبع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باحادیث صحیحہ ثابت ہے۔ چنانچہ منجملہ ان احادیث کے
وہ حدیث ہے جسکی روایت امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہ سے کی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سنا
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے کہ جو شخص قیام کرے رمضان میں اخلاص سے اور ثواب
کی نیت سے بخشے جائینگے اُسکے گذشتہ گناہ۔ منجملہ انکے وہ حدیث ہے جسکی روایت امام
بیہقیؒ نے حضرت سلمان فارسی سے کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ خطبہ سُنایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
طویل خطبہ جسمیں ماہ رمضان کی فضیلت بیان فرمائی۔ اور اسکے آخر میں فرمایا کہ فرض کیا اللہ تعالیٰ
روزہ رکھنا اس مہینے میں اور سنت کر دیا قیام لیل کو اسمیں۔ کہا حافظ ابن حجر نے کہ ذکر کیا امام
نووی نے کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔ منجملہ انکے وہ حدیث جسکی روایت امام احمد
امام ابو داؤد۔ امام ترمذی امام نسائی امام ابن ماجہ نے حضرت ابوذر غفاری سے کہ انہوں نے کہا
کہ ہم نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزہ رکھا پس قیام نہیں کیا ہمارے ساتھ مہینے
میں کچھ بھی یہانتک کہ سات دن باقی رہے (اور مہینہ اونتیس دن کا تھا)

لہ اس وجہ سے میں نے اکثر جگہ اس رسالہ میں قیام لیل کا ترجمہ نماز تراویح سے کیا ہے ۱۲ مؤلف

فقام بنا حتی ذهب ثلث اللیل فلما کانت السادسۃ لم یقم بنا فلما کانت الخامسۃ
قام بنا حتی ذھب شطر اللیل فقلت یا رسول اللہ لو نفلتنا قیام ھذہ اللیلۃ فقال
ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف حسب لہ قیام تلک اللیلۃ فلما کانت الرابعۃ
لم یقم بنا فلما کانت الثالثۃ جمع اھلہ و نساءہ والناس فقام بنا حتی خشینا ان
یفوتنا الفلاح قلت ما الفلاح قال السحور ثم لم یقم بنا بقیۃ الشھر واستدل
بھذا علی ان قیام رمضان فی المسجد بالجماعۃ افضل من قیامہ فی البیوت منفردا
وبہ قال الشافعیؒ وجمھور اصحابہ وابو حنیفۃ واحمد وبعض المالکیۃ وھو

پس قیام کیا ہمارے ساتھ (یعنے تیئسویں راتکو) یہانتک کہ گذر گئی تہائی رات پس جب چھٹی رات
آئی (یعنے مہینے کے آخر سے شمار کرتے ہوئے۔ اور وہ انتیس دن والے مہینے میں چوبیسویں رات ہے) قیام نہیں
کیا ہمارے ساتھ پھر جب اسی حساب سے پانچویں رات آئی کہ فی الحقیقۃ پچیسویں رات ہے تو قیام کیا ہمارے
ساتھ یہانتک کہ نصف رات گذر گئی پس عرض کی میں نے (یعنے ابوذر نے) یا رسول اللہ کاش کہ زیادہ کرتے
آپ ہمارے لئے قیام اس رات کا فرمایا البتہ شخص جب نماز پڑھتا امام کیساتھ یہانتک کہ امام فارغ
ہو جاوے تو لکھا جاتا ہے اسکے حق میں قیام ساری رات کا (یعنے اگرچہ ساری رات کا قیام نہ کیا ہو) پس
جب اس حساب سے چوتھی رات آئی (جو کہ فی الحقیقۃ چھبیسویں رات تھی) قیام نہیں کیا ہمارے ساتھ پھر
جب تیسری رات آئی (جو کہ فی الحقیقۃ ستائیسویں رات تھی) جمع کیا اپنے کنبہ کو اور لوگوں کو پس قیام
کیا ہمارے ساتھ یہانتک کہ ڈر گئے ہم کہ فوت ہو جاوے فلاح عرض کی میں نے کیا مراد ہے فلاح سے
فرمایا سحری۔ پھر قیام نہیں کیا ہمارے ساتھ باقی مہینہ میں۔ استدلال کیا گیا اس حدیث سے
اس بات پر کہ نماز تراویح مسجد میں با جماعت پڑھنا گھر میں تنہا پڑھنے سے افضل ہے۔ یہی اختیار
کیا امام شافعی نے اور انکے اکثر اصحاب نے۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد اور بعض مالکیوں نے اور وہی

لہ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ امام کے فارغ ہونے سے پہلے آٹھ رکعت پڑھکر ہی چلے جاتے ہیں وہ اس ثواب سے محروم رہتے ہیں ۱۲ منہ

المروی عن علی بن ابی طالب و ابن مسعود و ابی بن کعب و سوید بن غفلۃ وغیرہم

ومنها ما رواه البخاری عن عائشة رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه و سلم خرج لیلة من جوف اللیل فی المسجد وصلی رجال بصلوته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اکثر منهم فصلی فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فکثر اهل المسجد من اللیلة الثالثة فخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی بصلاته فلما کانت الرابعة عجز المسجد عن اهله حتی خرج لصلوة الصبح فلما قضی الفجر اقبل علی الناس فتشهد ثم قال اما بعد فانه لم یخف علی مکانکم ولکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنها فتوفی رسول الله صلی الله علیه وسلم والامر علی ذلك فدل ذلك

مروی ہے حضرت علی بن ابیطالب اور ابن مسعود اور ابی بن کعب اور سوید بن غفلہ وغیرہ سے بھی۔ منجملہ اُن کے وہ حدیث ہے جسکی روایت امام بخاری نے حضرت عائشہ سے کی کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار بیچا بیچ راتکو رمضان میں نکلے۔ اور مسجد میں تراویح کی نماز پڑھی اور کچھ لوگوں نے آپکے پیچھے پڑھی۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اسکا چرچا کیا پھر دوسری راتکو اس سے زیادہ لوگ جمع ہوئے اور آپکے ساتھ نماز پڑھی۔ صبح کو لوگوں نے اس سے زیادہ چرچا کیا۔ اور تیسری رات کو بہت لوگ جمع ہوئے آپ برآمد ہوئے اور نماز پڑھی۔ لوگوں نے بھی آپکے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر جب چوتھی رات ہوئی تو اتنے لوگ جمع ہوئے کہ مسجد میں انکا سمانا مشکل ہوگیا۔ اس شب کو آپ برآمد نہیں ہوئے یہانتک کہ صبح کو نماز کیلئے باہر نکلے۔ اور نماز کے بعد لوگوں کیطرف مخاطب ہوکر پہلے تشہد پڑھی پھر فرمایا اما بعد۔ مجھے معلوم تھا کہ تم یہاں جمع ہو لیکن میں ڈرا کہ یہ نماز تم پر فرض نہو جائے اور تم سے نہو سکے اسلئے برآمد نہیں ہوا۔ پھر آپ کی وفات ہوگی اور یہی کیفیت قائم رہی۔ پس اس حدیث نے دلالت کی

علی انه لو لم یکن خوف الافتراض لدام بهم علی ذلك ومنها ما رواه ابن ماجة
عن سلمان الفارسی رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی
خطبته التی خطبها فی اخر یوم من شعبان کتب الله علیکم صیامه وسننت لکم
قیامه - واستدل به وبما قبله علی ان التراویح والتهجد صلاتان مستقلتان
متمایزتان لان التہجد کان فرضا فی بدء الاسلام ثم جعله الله تطوعا علی المسلمین
وذلك قبل الهجرة کما یدل علیه ما رواه مسلم عن سعد بن هشام انه قال لعائشة
رضی الله عنها انبئینی عن قیام رسول الله صلی الله وسلم فقالت الست تقرأ یایها
المزمل قلت بلی قالت فان الله عز وجل افترض قیام اللیل فی اول هذه السورة

کہ اگر فرض ہونے کا ڈر نہوتا تو ہمیشہ انکو اسپر قایم رکھتے - منجملہ ان احادیث کے وہ حدیث
ہے جسکی روایت امام ابن ماجہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کی کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم نے فرمایا اپنے خطبہ میں جو کہ آپنے ماہ شعبان کے پچھلے دن میں سنایا (جسمیں ماہ رمضان کی فضیلت
بیان فرمائی) کہ فرض کیا اللہ تعالی نے روزہ رکھنا اس مہینے کا - اور میں نے سنت کیا تراویح کو اس مہینے
میں - اور استدلال کیا گیا اس حدیث اور اس سے ماقبل احادیث سے اس بات پر کہ نماز تراویح اور
نماز تہجّد الگ الگ دو نمازیں مستقل ہیں جنکو آپسمیں یہ فرق ہے کہ نماز تہجد ابتداے اسلام میں فرض
ہوئی تھی - پھر آخر میں ہجرت سے پہلے مسلمانوں پر اسکو اللہ تعالی نے نفل کر دیا جیسا کہ اسپر دلالت
کرتی وہ روایت جو کہ امام مسلم نے سعد بن ہشام سے کی کہ انہوں نے کہا حضرت عایشہ
سے رضی اللہ عنہا مجھے خبر دیجیو قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے کہا کیا
تو سورہ مزمل نہیں پڑھتے ہو - میں نے کہا ہاں پڑھتا ہوں - انہوں نے کہا پس تحقیق
اللہ تعالے نے فرض کیا قیام لیل کو اس سورہ کے اوّل میں

فقام نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حولا وامسک اللہ خاتمتہا اثنی عشر شہرا فی السماء حتی انزل اللہ تعالی فی اخرہذہ السورۃ التخفیف فصار قیام اللیل تطوعا بعد ان کان فریضۃ الخ - وقال المحشی شیخ زادہ فی حاشیتہ علی البیضاوی والمعروف من کلام العرب ان الھجود عبارۃ عن النوم باللیل یقال ھجد فلان اذا نام باللیل - ثم راینا فی عرف الشرع انہ یقال لمن انتبہ باللیل من نومہ وقام الی الصلوۃ انہ متھجد وجب ان یقال سمی ذلک تھجدا من حیث انہ القی الھجود عن نفسہ انتہی - وفی التفسیر الثمرات الیانعۃ والتھجد ھو القیام بعد اللیل روی ھذا عن علقمۃ والاسود وعلیہ اکثر المفسرین انتہی ونقل الامام الرازی عن الازہری قائلا اما الازہری فانہ توسط فی تفسیر

پس قیام کیا نبی اللہ ﷺ اور انکے اصحاب نے ایک سال اور روک لیا اللہ تعالے نے آخر سورہ کو بارہ برس آسمان پر یہانتک کہ نازل کیا آخر سورہ میں تخفیف پس قیام لیل بعد اسکے کہ فرض تھا نفل ہو گیا اور کہا محشی شیخ زادہ نے بیضاوی کے حاشیہ میں اور مشہور کلام عرب سے یہ ہے کہ ہجود سے مراد رات کی نیند ہے - چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ہجد فلانٌ جبکہ وہ رات کو سوجائے - پھر ہم نے شریعت کے اصطلاح میں دیکھا کہ کہا جاتا ہے اس شخص کے واسطے جو کہ نیند سے جاگ اٹھے اور نماز کے لئے کھڑا ہو جاوے کہ وہ متہجد ہے اور واجب ہوا کہ یہ کہا جاوے کہ اس شخص کو اسلئے متہجد کہا جاتا ہے کہ اس نے نیند چھوڑ دی اپنے نفس سے اور تفسیر ثمرات یانعہ میں ہے کہ تہجد اسکے معنے نیند کے بعد اٹھنے کے ہیں اور یہ معنے حضرت علقمہ اور حضرت اسود سے منقول ہیں اور اسی پر اکثر مفسرین متفق ہیں - ختم ہوا کلام صاحب ثمرات کا - اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ازہری سے یوں نقل کیا کہ لیکن ازہری پس اُس نے توسط اختیار کیا اس لفظ کے تفسیر میں

هذا اللفظ وقال المعروف فی کلام العرب ان المهاجد هو النائم ثم راینا فی عرف الشرع یقال لمن قام من النوم الی الصلوٰۃ انه متهجد فوجب ان یحمل هذا علی انه سمی متهجدا لالقائه الهجود عن نفسه انتہی وقال العلامۃ ابو السعود فی تفسیرہ فتهجد به ای ازل والق الهجود ای النوم فانه صیغۃ التفعل یجیٔ للازالۃ کالتحرج والتحنث والتاثم ونظائرها انتہی وھذا کله یدل علی ان التهجد غیر التراویح وانه لا یحصل الا بعد النوم۔ والتراویح لم یشرع الا قبل النوم کما یدل علیه حدیث ابی ذر رضی الله عنه المذکور۔ وایضا التراویح لم یکن فرضا فی وقت من الاوقات وانما سنه رسول الله صلی الله علیه وسلم بعد ما فرض صیام رمضان کما یدل علیه قوله صلی الله علیه وسلم وسننتُ

اور کہا کہ معروف ومشہور کلام عرب میں یہ کہ ہاجد کے معنے نائم کے ہیں۔ پھر اسکے بعد ہم نے دیکھا کہ شریعت کے عرف میں کہا جاتا ہے اُس شخصکو جو نیند سے نماز کیلئے اٹھے کہ وہ متہجد ہے۔ پس واجب ہوا کہ حمل کیا جاوے یہ اس بات پر کہ نیند سے جاگ کر نماز کیطرف کھڑا ہونے والے کو اسلئے متہجد کہتے ہیں کہ اُس نے نیند اپنے نفس سے دور کی ہوتی ہے۔ اور کہا علامہ ابن سعود نے اپنے تفسیر میں کہ فتہجد بہ یعنے دور کر اور چھوڑ دے نیند کو اسلئے کہ صیغۂ تفعل ازالہ کیلئے آتا ہے جیسا کہ تحرُّج اور تحنُّث اور تاثُّم۔ اور اسکے نظائر ختم ہوا اسکا کلام۔ اور یہ تمام اقوال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ نماز تہجد مغائر ہے نماز تراویح سے۔ اور وہ حاصل نہیں ہوتا ہے مگر بعد نیند کے اور تراویح مشروع نہیں ہوا مگر نیند سے پہلے۔ جیسا کہ اسپر دلالت کرتا حدیث ابوذر کا جو کہ گذر گیا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ نماز تراویح کبھی کسی وقت میں فرض نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ سنت مقرر دیا رسول اللہ صلعم نے رمضان شریف کے روزہ فرض ہونیکے بعد جیسا کہ دلالت کرتا ہے اسپر فرمانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ سنت کر دیا میں نے

لکو قیامه فعلم ان التراویح غیر التهجد مختصة برمضان - والتهجد غیرها بستوی فی رمضان وغیره ویدل علی هذا حدیث ابی سلمة بن عبد الرحمن ایضا انه سال عائشة رضی الله عنها کیف کانت صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشر رکعة الخ وهکذا شان التهجد اعنی لا اختصاص له برمضان

تحقیق عدد رکعات التراویح

اعلم رحمك الله انه لم یثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم فی التراویح عدد معین وما ورد فلا یخلو عن ضعف ومقال کما سیاتی عنقریب فانتظره واما الاستدلال بحدیث عائشة الذی اخرجه البخاری علی کون التراویح

قیام اسکے کو۔ پس معلوم ہوا کہ تراویح تہجد کے سوا اور ایک نماز ہے جو کہ خاص ماہ رمضان ہی میں ہوتی ہے اور تہجد بھی الگ ایک نماز ہے جو کہ رمضان و غیر رمضان میں برابر اور مساوی ہے اور اسپر دلالت کرتا ہے حدیث ابی سلمہ بن عبد الرحمن بھی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رض سے پوچھا کیونکر تھی نماز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ماہ رمضان میں تو آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اور یہی تہجد کی شان ہوا کرتی ہے یعنی سال بھر ایک ہی طرح ہوتا ہے اور رمضان شریف سے کوئی خصوصیت نہیں ہوتی ہے

تراویح کی تعداد رکعات کی تحقیقات

جان تو خدا تجھے رحم کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح میں کوئی عدد معین ثابت نہیں اور جو کچھ اس بارے میں وارد ہوا ہے تو وہ ضعف و گفتگو سے خالی نہیں جیسا کہ آئندہ اسکی تحقیق آئیگی پس تو انتظار کر اسکی۔ اور لیکن استدلال کرنا ساتھ حدیث حضرت عائشہ رض کے جو کہ امام بخاری نے نکالا ہے

بثمان رکعات فلا یصح اصلا لانا قد ذکرنا انہ لا یتعلق بامر التراویح بل ھو مسوق لبیان عدد رکعات صلوٰۃ لا اختصاص لہ برمضان وھو التھجد فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلیھا جمیع السنۃ فی رمضان وغیرہ فلا یقوم الحدیث حجۃ ودلیلا علی تعیین ھذا العدد فی التراویح۔ وقال القسطلانی واما قول عائشۃ رضی اللہ عنہا ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشر رکعۃ فحملہ اصحابنا علی الوتر۔ اقول لعل البخاری اخرحدیث عائشۃ المذکور فی باب التراویح عن غیرہ لعدم التنصیص فیہ علی رکعات التراویح وانما اوردہ مناسبۃ واطرادا واللہ سبحانہ وتعالی اعلم ولو سلم انہ یتعلق بالتراویح الشامل علی التھجد

تراویح کے آٹھ رکعت ہونے پر پس وہ ہرگز صحیح نہیں اسلئے کہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ وہ حدیث تراویح کے بارے کچھ تعلق نہیں رکھتا ہے بلکہ وہ اس نماز کی عدد رکعت بیان کرنے کیلئے بیان گیا ہے جسکو رمضان شریف سے کوئی خصوصیت نہیں اور وہ تہجد کی نماز ہے پس تحقیق نبی کریم ؐ وہ نماز ہمیشہ سال بھر رمضان و غیر رمضان میں آٹھ ہی رکعتیں پڑھا کرتے تھے پس اس حدیث سے نماز تراویح کے تعیین رکعات پر حجت قائم نہیں ہوسکتی ہے۔ اور کہا قسطلانی نے کہ بہرحال حضرت عائشہ رضؓ کا یہ قول کہ نہیں زیادہ کرتے تھے نبی کریم ؐ رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں پر تو اسکو ہمارے اصحاب (یعنی شوافع) نے صلوٰۃ وتر پر حمل کیا۔ میں کہتا ہوں کہ شاید امام بخاری رحؒ نے بھی حدیث عائشہ کو اس لئے مؤخر کیا باب تراویح میں کہ نہیں تراویح کی عدد رکعات پر صراحت نہیں تھی صرف طرداً للباب یا اسکو ایک قسم کی ذراسی مناسبت ہونے کیوجہ سے باب تراویح میں لایا۔ اور اصل حقیقت سوائے اللہ کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ اور اگر تسلیم بھی کیا جاوے کہ حدیث عائشہ تراویح سے جو کہ تہجد پر بھی شامل ہے کیسا بھی تعلق رکھتا ہے

ایضا لما یثبت انہ کان علی سبیل الکلیۃ دائما و مستمرا۔ بل یحکم انہ کان اکثر یا او احیانا ولا فیعارضہ ما رواہ مالک رحمہ اللہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ ثم یصلی اذا سمع النداء للصبح برکعتین خفیفتین۔ وما رواہ مسلم عنہا رضی اللہ عنہا انہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان ما لا یجتہد فی غیرہ۔ وما رواہ البیہقی رحمہ اللہ عنہا رضی اللہ عنہا انہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان لم یات فراشہ حتی ینسلخ۔ فان ہذہ الروایات دالۃ علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان کثیر المجاہدۃ فی العبادۃ فی رمضان من غیرہ۔ وان سلم المساوات فی جمیع السنۃ

تب بھی یہ ثابت نہوگا کہ دائمی طور پر کلیۃً یہی معمول تھا۔ بلکہ کہا جائیگا کہ اکثر یا کبھی کبھی ایسا ہو کرتا تھا اور اگر یہ نہ مانا جاوے تو پھر اسکے معارض دوسرا حدیث جسکی روایت امام مالک نے خود حضرت عائشہ سے کی ہے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ پھر پڑھتے تھے جب سنتے تھے صبح کی اذان دو رکعتیں ہلکی۔ اور وہ حدیث بھی اسکے معارض ہوتا ہے جسکے راوی امام مسلم ہیں وہ بھی خود حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اتنی زیادہ عبادت کرتے تھے جتنی کہ اور مہینوں میں نہیں کرتے تھے۔ اور وہ حدیث بھی جسکی روایت امام بیہقی حضرت عائشہ سے ہی کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ تھے آنحضرت جبکہ داخل ہوتا تھا ماہ رمضان تو نہ آتے تھے بستر پر یہانتک کہ نکل جاتا۔ پس تحقیق یہ روایتیں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں بہ نسبت اور مہینوں کے بہت زیادہ عبادت کرتے تھے۔ اور اگر یہ تسلیم کیا جاوے کہ تمام سال میں انکی عبادت یکساں تھی

لما يحصل معنى كثرة الاجتهاد في رمضان فافهم ۔ وأمّا الاستدلال
على كون التراويح ثمان ركعات بما رواه الطبراني في المعجم الصغير ومحمد بن نصر
في قيام الليل وابن حبان وابن خزيمة في صحيحيهما عن جابر رضي الله عنه انه
قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في شهر رمضان ثمان ركعات
ففي اسناده لين لان مدار جميع اسناده على عيسى بن جارية ۔ وهو راو
ضعيف قد تكلم فيه ائمة الحديث كما قال الذهبي قال ابن معين عنده
مناكير ۔ وقال النسائي هو منكر الحديث ومتروكه ۔ وقال ابو داؤد هو منكر
الحديث وقال الحافظ في التقريب فيه لين ۔ اقول ومن كان ضعيفا مثل هذا
كيف يسوغ الاحتجاج بحديثه ۔ كما قال الشيخ تقي الدين ابن دقيق العيد الشافعي

تو پھر کثرت اجتہاد فی العبادۃ کے معنے حاصل نہیں ہوتے ہیں پس خوب سمجھ لے ۔ پس رہا استدلال
کرنا تراویح کے آٹھ رکعت ہونے پر اس حدیث سے جسکی روایت امام طبرانی نے معجم صغیر میں اور محمد
بن نصر نے قیام اللیل میں اور ابن حبان اور ابن خزیمہ نے اپنے صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ
سے کی کہ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ساتھ ہمارے رمضان شریف میں
آٹھ رکعتیں ۔ پس اسکی سند میں ضعف ہے اسلئے کہ اسکے تمام سندوں میں ایک راوی عیسی بن جاریہ
پڑتا ہے اور وہ ایک بیار راوی ہے کہ اسکے حق میں محدثوں نے کلام کیا ہے ۔ چنانچہ امام ذہبی نے
انکے حق میں کہا کہ کہا ابن معین نے کہ اسکے یہاں بہت سے احادیث منکر پائے جاتے ہیں ۔ اور امام
نسائی نے بھی اسکو منکر الحدیث کہا ہے ۔ اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا کہ اسمیں لین یعنے
ضعف ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ جو شخص اسقدر ضعیف ہوگا اسکے حدیث سے کیونکر استدلال کرنا
درست ہوگا ۔ جیسا کہ شیخ تقی الدین ابن دقیق العید شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ان منكر الحديث وصف فی الرجل يستحق به الترك بحديثہ واما استدلال الجمهور علی کون التراويح عشرين رکعة بما رواه شيخ البخاری ابوبکر بن ابی شيبة فی مصنفه وعبد بن حميد الکسی فی مسنده والبغوی فی کتابه والطبرانی فی معجمه الکبير والبيهقی فی سننه عن عبد الله بن عباس رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله عليه وسلم کان يصلی فی رمضان فی غير جماعة عشرين رکعة والوتر۔ ففيه ايضا ضعف کما ضعفه البيهقیؒ بروايۃ ابراهيم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شيبة وهو ضعيف۔ وقال الحافظ فی الفتح وقد عارضه حديث عائشة رضی الله عنها الصحيح ما کان يزيد فی رمضان ولا فی غيره علی احدی عشرة رکعة مع کون عائشة اعلم بحال النبی صلی الله عليه وسلم

تحقیق منکر الحدیث ہونا کسی شخص سزاوار کردیتا ہے اسبات کو کہ اسکا حدیث ترک کیا جاوے۔ اب رہا استدلال کرنا جمہور کا اس بات پر کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں اُس حدیث سے جسکی روایت استاد امام بخاری ابوبکر بن ابی شیبہ نے کی ہے اپنے مصنف میں۔ اور عبد بن حمید کسی نے اپنے مسند میں اور امام بغوی نے اپنے کتاب میں اور طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں۔ اور بیہقی نے اپنی سنن میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ تحقیق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں جماعت کے بغیر بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے علاوہ وتر کے۔ پس اسمیں بھی اگرچہ ضعف ہے جیسا کہ امام بیہقی نے اسکو بروایت ابراہیم بن عثمان جو کہ امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ہیں ضعیف کہا ہے۔ کیونکہ وہ راوی یعنی ابراہیم ضعیف ہے۔ اور کہا حافظ نے فتح الباری میں کہ ابراہیم کی اس روایت کو علاوہ ضعیف ہونے کے حدیث عائشہؓ سے جو کہ صحیح ہے تعارض ہوتا ہے۔ یعنے نہیں زیادہ کرتے تھے آنحضرتؐ رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں پر اور اسکے علاوہ حضرت عائشہؓ بہ نسبت اوروں کے نبی کریمؐ کے حالات پر زیادہ واقف تھیں۔

لکنی اقول تضعیف البیهقی ابراهیم بن عثمان اباشیبۃ لیس کتضعیفہم عیسی بن جاریۃ کما قال مولنا الشاہ عبد العزیز الدہلوی ان اباشیبۃ لیس بضعیف ضعفا لا تقبل روایتہ کلیۃ ۔ وسیاتی ما قال بتمامہ انشاء اللہ تعالی ۔ وقال مولنا عبد الحی اللکنوی والعجب کل العجب ان عبد اللہ بن لہیعۃ ضعیف عندہم بضعف شدید حتی ضرب بہ المثل فی الضعف کما لا یخفی علی من راجع تہذیب التہذیب للحافظ ابن الحجر العسقلانی ومع ذلک قبل المحدثون روایتہ ولا ید ری ای ذنب عظیم ارتکبہ ابوشیبۃ حتی لا تقبل روایتہ مع انہ لیس کابن لہیعۃ وعیسی بن جاریۃ ضعیف واما قول الحافظ انہ یعارضہ حدیث

لیکن میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی کا ابراہیم بن عثمان یعنے ابی شیبہ کی تضعیف کرنا ایسا نہیں جیسا کہ اور محدثوں نے عیسی بن جاریہ کی تضعیف کی ہے چنانچہ حضرت مولنا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ ابو شیبہ یعنے ابراہیم اتنا ضعیف راوی نہیں کہ اسکی روایت کلیۃً ترک کیجاوے ۔ آیندہ ان کا قول مفصل طور آتا ہے انشاء اللہ تعالے ۔ اور حضرت مولنا عبد الحی صاحب لکھنوی بھی فرماتے ہیں کہ کسقدر تعجب کی بات ہے کہ عبد اللہ بن لہیعہ ایک ضعیف راوی ہے جو کہ تمام محدثین کے نزدیک سخت ضعیف ہے یہانتک کہ اسکا ضعف محدثین کے نزدیک ضرب المثل ہو گیا چنانچہ پوشیدہ نہیں اس شخص پر جس نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے تہذیب التہذیب کا مطالعہ کیا ہو ۔ اور باوجود اس شدید ضعف کے محدثوں نے اسکی روایت قبول کی ۔ میں حیران ہوں اور کچھ پتہ نہیں چلتا ہے کہ ابراہیم بن عثمان یعنے ابو شیبہ نے کونسا بڑا جرم ایسا کیا ہے کہ اسکی روایت قبول نہیں کیجاتی ہے حالانکہ وہ ابن لہیعہ یا عیسی بن جاریہ جیسا ضعیف راوی نہیں ہے ۔ لیکن حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کہ اس حدیث کا معارض حدیث عائشہ ہے

عائشة المذکور فمدفوع بما ذکرنا سابقا من انه لا یتعلق بباب التراویح - وانما هو لبیان رکعات التهجد ومع ذلك هو ای حدیث عائشة ایضا معارض بروایاتها الاخر کما عرفت - واما قوله ان عائشة کانت اعلم بحال النبی صلی اللہ علیه وسلم من غیرها فلیس بسدید لان ازواجه کن فی العلم بحاله صلی اللہ علیه وسلم فی اللیل مساویات فیمکن ان یکون عبد اللہ بن عباس رض سمع هذا من احدهن سوی عائشة رضی اللہ عنها بل لا یبعد ان یکون سمع من خالته میمونة رضی اللہ عنها اوراه صلی اللہ علیه وسلم بنفسه فی بیتها لانه کان یبیت فی بیت خالته احیانا - وما قیل ان السیوطی رح قال لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه صلی عشرین رکعة لانه لو صلی العشرین ولو مرة لم یترکها ابدا لانه صلی اللہ علیه وسلم کان

جو ذکر کیا گیا - پس اسکا جواب پیچھے گذر چکا کہ حدیث عائشہ نماز تہجد کے بیان رکعات سے تعلق رکھتا نماز تراویح کیساتھ اسکو کچھ تعلق نہیں علاوہ اسکے حدیث عائشہ کو بھی اور حدیثوں سے تعارض ہے جیساکہ تمکو معلوم ہو چکا ہے - اور حافظ کا یہ کہنا کہ حضرت عائشہ رض بہ نسبت اوروں کے زیادہ واقف تھیں نبی کریم ص کے حالات پر - پس وہ درست نہیں کیونکہ آنحضرت ص کی ازواج مطہرات سب کے سب رات کی حالات جاننے میں مساوی اور برابر تھیں - لہذا ممکن ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رض نے آنحضرت کا بیس رکعتیں پڑھنا باقی ازواج طاہرات میں سے کسی سے سنا ہوگا - بلکہ بعید نہیں کہ انہوں نے خود اپنی خالہ جان حضرت میمونہ سے سنا ہو یا خود اپنی آنکھوں سے خالہ جان کے گھر میں دیکھا ہو کیونکہ وہ کبھی کبھی اپنی خالہ جان کے گھر میں راتکو رہا کرتے تھے - اور جو یہ کہا گیا کہ علامہ سیوطی نے کہا ہے کہ نبی کریم ص سے بیس رکعتیں ثابت ہی نہیں ہے اسلئے کہ اگر انہوں نے کبھی اگرچہ ایک ہی دفعہ بیس رکعتیں پڑھی ہوتیں تو ہرگز انکو نہ چھوڑ دیتے کبھی اسلئے کہ آنحضرت ص

اذا عمل عملا واظب علیه وایضا لو وقع ذلک لم یخف علی عائشۃ رضی اللہ عنہا حیث قالت ما تقدم۔ اجیب بان ما ذکرہ من قولہ انہ لو فعل العشرین ولو مرۃ لم یترکہا (ای کان یزید الخ ۱۲) مما لا ینبغی ان یصغی الیہ (ای السیوطی ۱۲) فانہ علیہ الصلوۃ والسلام صلی فی اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ تارۃ واحدی عشر رکعۃ تارۃ وتسع رکعات تارۃ الی غیر ذلک مما ذکرنا ولم یدام علی شئ من ذلک فکذلک یحتمل ان یکون قد صلی لیلۃ من اللیالی عشرین رکعۃ۔ وقولہ ولو وقع ذلک لم یخف علی عائشۃ رضی اللہ عنہا عجیب جدا فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد صلی ثلاث عشرۃ رکعۃ فی بیت میمونۃ سوی رکعتی الفجر[1] وقد خفی ذلک علیہا۔ (کما رواہ مالک عن عبد اللہ بن عباس ۱۲) وقد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الضحی بمرات عدیدۃ اخرجہ

جب کوئی عمل شروع فرماتے تو اسپر مواظبت فرماتے تھے نیز اگر کبھی آپنے بیس رکعتیں پڑھے ہوتیں۔ تو حضرت عائشہ سے وہ امر پوشیدہ نہ رہتا۔ حالانکہ وہ کہتی ہیں کہ گیارہ رکعتوں سے زیادہ کبھی آپنے کچھ ہی نہیں پڑھا۔ اسکا جواب یا گیا ہے باینطور کہ علامہ سیوطی کا یہ کہنا کہ اگر آپنے کبھی بیس رکعتیں پڑھی ہوئیں اگرچہ ایک ہی دفعہ تو نہ چھوڑتے ہکو قابل التفات نہیں اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ راتکو تیرہ رکعتیں اور بعض دفعہ گیارہ رکعتیں اور بعض دفعہ نو رکعتیں اور اسکے سوا جو کہ ہمنے ذکر کیا۔ حالانکہ امنیں سے کسی عدد پر مداومت نہیں کی۔ پس اسی طرح ممکن ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی رات میں راتوںمیں سے بیس رکعتیں پڑھی ہونگے۔ اور علامہ سیوطی کا یہ کہنا کہ اگر بیس رکعتیں پڑھنا کبھی واقع ہوتا تو حضرت عائشہ سے پوشیدہ نہ رہتا۔ یہ بھی بہت عجیب ہے کیونکہ نبی کریم صلعم نے ایک دفعہ تیرہ رکعتیں پڑھی حضرت میمونہ کے گھر میں سوائے سنت فجر کے جیساکہ امام مالک نے روایت کی عبد اللہ بن عباس سے حالانکہ حضرت عائشہ سے پوشیدہ رہا ہے اور اسیطرح نبی کریم سے نماز چاشت پڑھنا بارہا

[1] وما وقع فی حدیث عائشۃ من ثلاث عشرۃ رکعات فذلک مع رکعتی الفجر ۱۲ منہ

البخاری ومسلم وابو داؤد والبیہقی واحمد والحاکم وابن ابی شیبۃ وغیرہم والطبرانی والدارقطنی والترمذی وابویعلی والبزار وابن عدی والنسائی وسعید بن منصور مع انہ خفی ذلک علی عائشۃ حتی روی البخاری عنہا قالت ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسبح سبحۃ الضحی وروی مسلم عن عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ انہ قال قلت لعائشۃ رضی اللہ عنہا اکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الضحی قالت لا الا ان یجیئ من مغیبہ ۔ وقد قال السیوطی بنفسہ فی بعض رسائلہ بانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن ملازما لہا فی جمیع اوقاتہ بل لہا منہ وقت فی اوقاتہ فانہ فی وقت یکون مسافرا وفی وقت یکون حاضرا وقد یکون فی الحضر

جیسا کہ امام بخاری اور امام مسلم امام ابوداؤد امام بیہقی امام احمد بن حنبل اور حاکم ۔ اور ابن ابی شیبہ وغیرہ اور امام طبرانی امام دارقطنی اور امام ترمذی ۔ اور ابویعلی موصلی امام بزار اور ابن عدی اور امام نسائی اور سعید بن منصور نے روایت کی ۔ اور باوجود اسکے حضرت عائشہ پر پوشیدہ ہے چنانچہ انسے امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ۔ اور امام مسلم نے عبداللہ بن شقیق سے روایت کی کہ انہونے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز چاشت پڑھا کرتے تھے تو انہونے کہا کہ نہیں صرف جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تھے اور امام سیوطی نے بھی خود اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں نماز چاشت کو لازم نہیں پکڑتے تھے ۔ بلکہ اسکے لئے بھی کوئی وقت منجملہ اوقات کے مقرر تھا اسلئے کہ آنحضرت صلعم کبھی حالت سفر میں اور کبھی حالت اقامت میں ہوتے تھے اور حالت اقامت میں ہو کر

فی المسجد وغیرہ واذا کان فی البیت فله تسع نسوة وکان یقسم لها فاذا اعتبر ذلك لم یصادف وقت الضحی عند عائشة الا فی نادر من الاوقات ومارأته صلاها فی تلك الاوقات فقالت مارأیته انتهی۔ فعلم من ذلك ان انکار عائشة رضی الله عنها شیئا من الافعال النبویة او حصره فی شئ لا یدل علی نفی ماعداه فی الواقع۔ فیحتمل ان یکون صلی الله علیه وسلم صلی عشرین رکعة فی المسجد او فی بیت ازواجه الاخر فخفی ذلك علی عائشة رضی الله عنها وانه صلی فی بیت عائشة احدی عشرة رکعة ولم یزد علی ذلك هناك فاخبرت علی حسب علمها کذا فی اقامة الحجة۔ وقد وقع التعارض بین حدیث جابر وحدیث ابن عباس فیعمل ههنا بما قال ابو داؤد رح انه اذا

کبھی مسجد شریف یا حجرات شریفہ میں تشریف فرما ہوتے تھے اور پھر حجرات شریفہ میں جو کہ انکے نو ازواج طاہرات تھے اور آپنے انمیں باری مقرر فرمائی تھی پس جب ان تمام باتوں کا اعتبار کیا جاوے تو ممکن ہے کہ آپکو چاشت کے وقت حضرت عائشہ کے حجرہ شریفہ میں تشریف لانے کا اتفاق نہوا ہوگا مگر کبھی شاذ و نادر اور چونکہ انہوں نے اُن نادر اوقات میں آپؐ کو نماز چاشت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اسلئے جو دیکھا اسکی موافق روایت کی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کا نبی کریم صلعم کے کسی فعل سے انکار کرنا یا اسکو حصر کرنا کسی بات میں اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ اسکے سوا جو کچھ ثابت ہوگا وہ ثابت ہی نہیں ہے۔ پس احتمال ہے کہ آنحضرت صلعم نے بیس رکعتیں تراویح مسجد میں یا حضرت عائشہ کے حجرۂ شریفہ کے سوا اور کسی حجرہ شریفہ میں پڑھی ہونگی جو کہ پوشیدہ رہا حضرت عائشہ سے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم نے گیارہ رکعتیں حضرت عائشہ کے گھر میں پڑھی ہونگی اور وہاں اس سے زیادہ رکعتیں نہ پڑھی ہونگی تو حضرت عائشہ نے بموجب اپنے علم کے خبر دی اور یہاں پر درمیان حدیث جابر جسمیں آٹھ رکعتیں مذکور ہیں اور حدیث ابن عباس جسمیں بیس رکعتیں مذکور ہیں تعارض واقع ہوا ہے پس یہاں پر امام ابو داؤد کے فیصلہ پر عمل کیا جائیگا۔ وہ یہ ہے

تعارض الخبران عنه صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ انتہی۔ فاجماعہم وعملہم واہتمامہم ومواظبتہم علی عشرین رکعات فی عہد عمر رضی اللہ عنہ وعثمان وعلی رض ثابت عند المحدثین کما رواہ مالک وابن سعد والبیہقی رحمہم اللہ۔ فحدیث ابن عباس وان کان ضعیفا لوقوع ابراہیم بن عثمان فی سندہ قد تأید وقوی بعمل الخلفاء ومواظبتہم علی عدد ثبت بہ۔ ومثل ہذا قال العلامۃ مولنا الشاہ عبد العزیز الدہلوی فی فتاویہ بالفارسیۃ سے درباب تراویح چنانچہ این حدیث صحیح واقع شدہ کہ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ ہمچنان این احادیث صحیحہ ہم وارد شدہ اند قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا کان

کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ روایات میں اختلاف ہو تو یہ دیکھا جاوے کہ آپکے صحابہ نے آپکی وفات کے بعد کسطرح عمل کیا جس جانب کو ان حضرات نے اختیار کیا ہوگا وہی راجح اور قابل عمل سمجھی جائیگی۔ پس انکا اجماع انکا عمل اور انکا اہتمام اور مداومت بیس رکعتوں پر حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانے میں محدثین کے نزدیک ثابت ہے۔ جیسا کہ امام مالکؒ اور ابن سعد اور بیہقی نے روایت کی ہے۔ پس حدیث ابن عباس اگرچہ اس لحاظ سے کہ ابراہیم بن عثمان اسکی سند میں واقع ہے ضعیف ہی ہے لیکن عمل خلفاء اور مواظبت صحابہ کی اس عدد پر جو اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے سے مؤید اور قوی معلوم ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی علامہ دہر مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے بزبان فارسی اپنے فتاوی میں فرمایا ہے۔ تراویح کے باب میں جسطرح کہ یہ حدیث صحیح واقع ہوا کہ نہیں زیادہ کرتے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں پر اسی طرح یہ احادیث صحیحہ بھی وارد ہوئے ہیں کہ کہا حضرت عائشہ نے کہ تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان ما لا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلم وعنہا رضی اللہ عنہا کان اذا دخل العشرۃ الاخیرۃ من رمضان احیی لیلہ وایقظ اہلہ وجد وشد المیزر رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی - وعن النعمان بن بشیر قال قمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان لیلۃ ثلاث وعشرین الی ثلث اللیل الاول ثم قمنا معہ لیلۃ خمس وعشرین الی نصف اللیل ثم قمنا معہ لیلۃ سبع وعشرین حتی ظننا ان لا ندرک الفلاح ای السحور - پس وجہ تطبیق درمیان این روایات کہ صریح دلالت بزیادتی وکیفی وکمی نماز آنحضرت در رمضان بر غیر آن می کنند ودران روایت کہ نفی زیادت می کند ہمین ست کہ آن روایت محمول بر نماز تہجد ست کہ در رمضان

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسقدر زیادہ کوشش سے ماہ رمضان میں عبادت کرتے تھے جسقدر اور کسی مہینے میں نہیں کرتے تھے روایت کی اسکی امام مسلم نے - اور انہی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم جب کہ رمضان کا اخیری عشرہ داخل ہوتا تھا تو راتکو خود نماز پڑھتے تھے اور اہل بیت کو بھی جگاتے تھے ۔ اور نہایت کوشش اور کمربستہ ہو کر عبادت کرتے تھے ۔ روایت کی اسکی بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور نسائی نے اور مروی ہے نعمان بن بشیر سے کہ انہوں نے کہا کہ ہم کھڑے ہوئے نبی کریم کیساتھ رمضان میں تئیسویں راتکو رات کے تیسرے حصے تک - پھر کھڑے ہوئے انکے ساتھ پچیسویں راتکو نصف شب تک - پھر کھڑے ہوئے انکے ساتھ ستائیسویں راتکو رات بھر یہانتک کہ ہمکو گمان ہوا کہ ہم فلاح نہ پائینگے ۔ فلاح سے مراد سحری ہے ۔ پس وجہ تطبیق درمیان اُن روایات کے جو کہ آنحضرت کے رمضان میں بہ نسبت اور مہینوں کے نماز میں صریح طور پر زیادتی کیفی و کمی پر دلالت کرتی ہیں اور اس روایت کے کہ جسمیں زیادتی سے انکار ہے ۔ اسطرح پر ہے کہ وہ روایت نماز تہجد پر محمول ہے جو کہ رمضان

وغیر رمضان یکسان بود غالباً بعد دیازدہ رکعت مع الوتر میرسد۔ دلیل بریں عمل آنست
کہ راوی این حدیث ابو سلمہ ست در تتمہ این روایت می گوید قالت عائشۃ رضی اللہ
عنہا فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر قال یا عائشۃ ان عینی تنامان
ولا ینام قلبی رواہ البخاری ومسلم۔ ظاہر ست کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجد متصور
می شود نہ در غیر و روایات زیادت محمول بر نماز تراویح ست کہ در عرف آنوقت بقیام
رمضان معبر بود۔ آمدیم بر آنکہ قیام رمضان بچند رکعت ادامی فرمودند در روایات صحیحہ
مرفوعہ تعیین عدد نیامدہ لیکن از الفاظ مذکورہ در جد و اجتہاد آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام معلوم
می شود کہ عددش بسیار بود۔ و در مصنف ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی بروایت ابن عباسؓ وارد
شدہ کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ

وغیر رمضان میں یکسان تھی جو کہ وتر کے سمیت گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں۔ اسپر یہ دلیل ہے کہ اس حدیث
کا جو راوی یعنے ابو سلمہ ہے۔ اس حدیث کے اخیر میں کہتا ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتمیں عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا آپ وتر سے پہلے سوتے ہیں آپنے فرمایا ای
عائشہ تحقیق میری آنکھیں ہی سوتی ہیں اور دل میرا نہیں سوتا ہے۔ روایت کی اسکی بخاری نے
اور ظاہر ہے کہ سونا قبل وتر کے صرف نماز تہجد ہی میں متصور ہو سکتا ہے دوسرے نمازوں میں متصور
نہیں ہو سکتا ہے۔ اور روایات زیادت نماز تراویح پر محمول ہیں جسکو اُس زمانے کے عرف میں قیام
رمضان سے تعبیر کرتے تھے۔ اب ہم اس بحث پر آپہنچے کہ قیام رمضان کتنی رکعتوں سے ادا کرتے
تھے۔ تو روایات صحیحہ میں جو کہ لکھے گئے ہیں تعین عدد نہیں آیا ہے۔ لیکن الفاظ مذکورہ سے جو کہ جد و اجتہاد
آنحضرت میں وارد ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسکی عدد بہت تھی۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی میں
بروایت ابن عباس وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بغیر جماعت

بعشرین رکعۃ و بوتر۔ امام بیہقی این روایت را تضعیف نمودہ بآنکہ راوی این حدیث جد ابو بکر ابن ابی شیبہ ہست حالانکہ ابو شیبہ جد ابو بکر بن ابی شیبہ آنقدر ضعیف ندارد کہ روایت او مطروح ساختہ شود آری اگر معارض او حدیث صحیح می شد البتہ ساقط می گشت وقد سبق ان ما یتوہم معارضا لہ اعنی حدیث ابی سلمۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا المتقدم ذکرہ لیس معارضا بالحقیقۃ فبقی سالما کیف وقد تاید بفعل الصحابۃ کما رواہ البیہقی فی سننہ باسناد صحیح عن الثابت بن زید رضی اللہ عنہ قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ وبروی مالک فی الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر رضی اللہ عنہ بثلاثۃ وعشرین وفی روایۃ باحدی عشرۃ۔ بیہقی درین

بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور وتر بھی۔ امام بیہقی نے اس روایت کی تضعیف کی ہے اسوجہ سے کہ اس حدیث کا راوی ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا[۲] اسقدر ضعیف نہیں ہیں کہ انکی روایت چھوڑ دی جاوے۔ ہاں اگر کسی صحیح روایت کے معارض ہوتی تو ضرور ترک کیجاتی۔ لیکن تحقیق سابقاً گذر چکا ہے کہ جو حدیث اسکا معارض سمجھا جاتا ہے یعنے حدیث ابی سلمہ جو مروی ہے حضرت عائشہ سے جو کہ ذکر کیا گیا۔ حقیقت میں اسکا معارض ہرگز نہیں ہے پس بسلامت باقی رہا اور کیونکر نہ ہے حالانکہ عمل صحابہ سے مؤید ہے جیسا کہ امام بیہقی نے اپنے سنن میں بسند صحیح روایت کی ثابت بن زید سے کہ انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام حضرت عمر بن الخطاب کے عہد خلافت میں رمضان شریف میں تراویح بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور امام مالک نے روایت کی موطا میں یزید بن رومان سے کہ انہوں نے کہا کہ وہ لوگ حضرت عمر کے زمانے میں تراویح تیئس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور دوسری روایت گیارہ رکعتیں ہیں۔ تو امام بیہقی نے

[۲] ـ لیکن تحقیق حال یہ ہے کہ ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا

هر دو روایت جمع نمودہ ست باین طریق کہ اول صحابہ کرام عدد یازدہ راکہ عدد مشہور تہجد آنحضرت بود درین نماز ہم اختیار فرمودہ بودند للعلۃ المشترکۃ بینہما وہو ان کلا منہما صلوٰۃ اللیل وچون نزد ایشان ثابت شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درین ماہ قیام زیادہ ازان عدد میفرمودند وبعشرین میرسانیدند من بعد عدد بست وسہ را اختیار کردند درین عدد اجماع شدہ بود بعد تحقق اجماع مراعات این عدد ہم از ضروریات گشت در حق قرون متاخرہ ازین جہت ست کہ فقہا درین امر تشدد می کنند وچیزہای بسیار ست کہ بعد از تحقق اجماع تاکید شدید پیدا کردہ اند وقبل ازین چندان تاکید نداشتند خصوصاً چون آن امر مجمع علیہ شعار اہل حق گردد وما بہ الامتیاز اہل بدعت شود ودر رواتب پنجوقتی نیز تاکید یکہ بعد از قرن

دونوں روایتوں یا بطور جمع کیا کہ ابتدا میں صحابہ کرام نے وہی عدد جو کہ آنحضرت صلعم سے نماز تہجد میں مشہور تھا اختیار کیا۔ اسمیں علت مشترک ہونے کے وجہ سے اور وہ علت یہ ہے کہ ہر ایک اُن دونوں نمازوں میں سے رات کی نماز ہے لیکن جب انکے نزدیک ثابت ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس مہینے میں اس سے زیادہ نمازیں پڑھا کرتے تھے جنکی تعداد بیس تک پہنچتی ہے تو اسکے بعد انہوں نے تیئیس رکعتیں پڑھنا اختیار کیا۔ اور اسی عدد پر سب کے سب متفق ہوئے اور اجماع منعقد ہوا۔ پس اجماع صحابہ منعقد ہونے کے بعد اس عدد کی رعایت کرنا متاخرین کیلئے ضروریات میں سے ہوا۔ اسی وجہ سے فقہاے کرام اس امر میں تشدّد کرتے ہیں کیونکہ بہت سے چیزیں ایسی ہیں جنمیں اجماع منعقد ہونے کے بعد اسقدر تاکید شدید پیدا ہوئی ہے جو کہ اجماع ہونے سے پہلے نہیں تھی خصوصاً جبکہ وہ امر متفقٌ علیہ اہل حق کا ایک مسلمہ علامت ہو کر ایسا امر ہو جاوے کہ اُس سے اہلِ بدعت سے امتیاز وفرق ہو۔ اور روزانہ پانچوقتوں کی سنتیں جو ہیں اُن میں بھی

صحابہ بہم رسیدہ سابق ازان نبود کما یظہر من تتبع الروایات فی ذلک و در اختیار این عدد وجوہ دیگر ہم موجب ترجیح بہم رسیدہ از انجملہ آنکہ در غیر رمضان صلوۃ اللیل کہ عبارت از تہجد است یا بعد یازدہ وارد شدہ آنرا در رمضان کہ وقت جد و تشمیر است مضاعف کردہ اند و عدد رواتب پنج وقتی نیز عند اکثر الشافعیہ بدہ میرسد تضعیف آن بہ بست میرسد و سہ رکعت وتر با آن ضم کنند بست و سہ می شود بہر حال در اینجا قاعدہ کلیہ را ملحوظ نظر باید فرمود کہ در وقت اجماع و اتفاق اہل حل و عقد بر امرے از امور شرعیہ دلایل و ماخذ آن امر از طرق شتی و مسالک متعددہ بر قلوب اہل عصر وارد می شود و بہیئت مجموعیہ موجب تیقن یا ظن غالب بحکم آن امر می شود و اگر از دیگران کہ آنوقت حاضر نبودند ہر ماخذ و دلیل را افرادی نظر کنند نزد ایشان غلبۂ ظن یا تیقن نمیشود

جو تاکید صحابہ کے زمانے کے بعد پائی گئی وہ اس سے پہلے نہیں تھی جیسا کہ ظاہر ہوگا اس شخص پر جو کہ روایات متعلقہ میں ٹٹولے۔ اور اس عدد کے اختیار کرنے میں اور وجوہات بھی ہیں منجملہ انکے یہ ہے کہ بارہ رمضان کے سوا جو رات کی نماز ہے جسکو تہجد کہتے ہیں اسمیں گیارہ رکعتیں ثابت ہوئے تو رمضان شریف چونکہ زیادہ عبادت کرنے کا وقت ہے اسلئے اسکا دوگنا کر دیا گیا اور عدد سنن رواتب بھی چونکہ اکثر شوافع کے یہاں دس رکعتیں ہیں تو اسکا دوگنا کرکے بیس تک پہنچتا ہے اور تین رکعتیں وتر کی اسکے ساتھ ملا کر کے تیئیس ہوتے ہیں۔ بہر حال یہاں پر ایک قاعدہ کلیہ پر نظر رکھنا چاہئے جب کبھی اہل حل و عقد کسی شرعی امر میں اجماع و اتفاق کرتے ہیں تو اسوقت انکے قلوب پر اس امر کے دلائل بہت طریقوں سے وارد ہوتے ہیں جو کہ بحیثیت مجموعی انکے یقین یا ظن غالب کے باعث ہوتے ہیں تا اینکہ وہ سب ملکر اس امر سے حکم کر دیتے ہیں۔ اور اگر دوسرے لوگ جو کہ اسوقت حاضر نہ تھے۔ ہر ہر دلیل و ماخذ پر نظر کریں تو انکے لئے وہ دلائل انفرادی طور پر تیقن یا غلبہ ظن کے باعث نہونگے

لیکن در حق ایشان اجماع منعقد در زمانِ سابق در دلیل بودن کفایت می کند ازین قاعده مسایل بسیار می برآید اگر اہل زمان متاخر خواہند کہ سوائے اجماع دلیلے دیگر دران مسایل پیدا کنند متحیر می شوند وہرگز ایشان را بر ویقین میسر نمی شود زیراکہ دلایل مانند اجماعیہ در ذہن ایشان فراہم نمی آیند۔ انتہی کلامہ ؛ الحاصل ان ما واظبت علیہ الخلفاء فعلا او تشریعا فھو سنۃ مؤکدۃ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ اخرجہ ابوداؤد وغیرہ۔ فیکفینا علی سنیۃ عدد العشرین اجماع الصحابۃ ومواظبتھم علیہ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تجتمع امتی علی الضلالۃ والسنۃ کما یطلق علی ما واظب علیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کذلک یطلق علی

لیکن ان لوگوں کے حق میں وہی اجماع جو ان سے پہلے منعقد ہوا ہے دلیل ہونے میں کافی ہے اس قاعدہ سے بہت سے مسایل نکل آتے ہیں اور اگر متاخرین یہ چاہیں کہ اس اجماع کے سوا ان مسائل میں وہ کوئی دلیل پیدا کریں تو وہ حیران ہوکر رہینگے اور ہرگز اُن کو اسپر یقین میسر نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ دلیل جن سے اجماع منعقد ہوا ہے انکے ذہن میں ہرگز نہیں آسکتی ہیں۔ ختم ہوا کلام شاہ عبدالعزیز صاحب کا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جس امر پر خلفاء راشدین نے فعلاً یا تشریعاً عمل کیا ہو تو وہ سنت موکدہ ہے اسلئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ لازمی بنالو میری سنت کو اور سنت خلفاء راشدین کو جو کہ ہدایت یاب ہیں کچلیوں سے پکڑو اسے۔ روایت کی اس حدیث کی امام ابوداؤد وغیرہ نے۔ پس کافی ہے ہمارے لئے بیس رکعتوں کے سنت ہونے کیلئے اجماع واتفاق کرنا صحابہ کا اور مداومت کرنی انکی اس عدد پر اسلئے کہ نبی کریم ؐ کا ارشاد ہے کہ اکٹھی نہیں ہوگی میری امت گمراہی پر۔ اور سنت جسطرح کہ اس امر پر اطلاق کیا جاتا ہے کہ جسپر نبی کریم ؐ نے مواظبت کی ہو اسی طرح اس امر پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے جس پر کہ

ما واظب علیہ الخلفاء کما صرح بہ المحققون کما قال علامۃ وقتہ محمد بن القیم الحنبلی رحمہ اللہ فی بحث الجمعۃ من کتابہ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ان السنۃ ما کان ثابتا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قولہ اوفعلہ اوسنۃ خلفاء الراشدین انتہی۔ وقال العلامۃ الشیخ ابن التیمیۃ رح ھولاء ای ابوبکر وعمر وعثمان وعلی کانوا خلفاء المھدیین الراشدین الذین خلفھم فی امتہ علما وعملا وھو صلی اللہ علیہ وسلم کما قال اللہ تعالی فی حقہ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ فکذا خلفاء الراشدون الذین قال فیھم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی تمسکوا بھا و عضوا علیھا بالنواجذ۔ فانھم خلفوا فی ذلک فانتفی عنھم بالھدی الضلال

خلفائے مواظبت کی ہو چنانچہ تصریح کی اسکی محققوں نے جیساکہ علامہ وقت ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد کے بحث جمعہ میں فرمایا کہ تحقیق کہ سنت وہ امر ہے جوکہ ثابت ہو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام سے یا کام سے یا جوکہ ثابت ہو سنت خلفائے راشدین سے۔ اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں یہ حضرات یعنے ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان ذی النورین علی مرتضی ایسے خلفاء راشدین تھے جنکو ازروے علم وعمل کے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کیلئے اپنا خلیفہ بنا دیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں خداوند کریم نے فرمایا کہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے ہیں۔ انکا ارشاد میری وحی ہے جو انپر بھیجی جاتی ہے۔ پس اسطرح انکے خلفائے راشدین جنکے بارے میں آپنے ارشاد فرمایا کہ لازم پکڑو میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو میرے بعد مضبوط پکڑو اسکو کچلیوں سے پس وہ ہدایت ورشد میں خلیفہ ہیں پس دور ہوئی ان سے بوجہ ہدایت کے گمراہی

وبالرشد الغی وھذا ھو الکمال فی العلم والعمل فان الضلال عدم العلم والغی اتباع الھوی انتہی - اقول فعلی ھذا التعریف للسنۃ ثبت کون العشرین فی التراویح سنۃ مؤکدۃ بلا خفاء لثبوت مواظبۃ الخلفاء الثلثۃ علیہ کما سیاتی تحقیق ذلك انشاء اللہ تعالی فانتظرہ - فمؤدی ثمان رکعات یکون تارکا للسنۃ المؤکدۃ - وبعبارۃ اخری عشرون رکعات مما واظب علیہ الخلفاء وکل ما واظب علیہ الخلفاء فھو سنۃ مؤکدۃ فعشرون رکعات فی التراویح سنۃ مؤکدۃ ویضم الیہ تارك السنۃ المؤکدۃ معاتب وملام - ویدل علی ان الخلفاء والصحابۃ رضی اللہ عنھم واظبوا علی التراویح بالجماعۃ تشریعا وفعلا ما رواہ البخاری رح عن عبد الرحمن بن عبد القاری انہ قال خرجت مع عمر بن

اور بوجہ رشد کے کجروی اور یہی انکا علمی وعملی کمال ہے اسلئے کہ گمراہی بے علم ہونا ہے اور کجروی اور غی نفس کی خواہشوں کی اتباع کرنے کا نام ہے - ختم ہوا کلام علامہ کا - میں کہتا ہوں کہ سنت کی اس تعریف کی بنا پر ثابت ہوا کہ تراویح میں بیس رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں اسلئے کہ خلفائے ثلثہ سے بیس رکعتوں پر مواظبت ثابت ہے جیسا کہ آگے اسکی تحقیق آتی ہے انشاء اللہ تعالے پس تو انتظار کر - جب یہ ثابت ہوا تو جو شخص تراویح آٹھ رکعتوں سے ادا کرتا ہو وہ سنت مؤکدہ کا تارک ہوگا دوسری عبارت سے یوں کہا جائیگا کہ بیس رکعتوں پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی ہے اور ہر وہ چیز جس پر خلفائے مواظبت کی ہو سنت مؤکدہ ہوتا ہے پس بیس رکعتیں تراویح میں سنت مؤکدہ ہیں اور اسکے ساتھ دوسرا مقدمہ ملایا جائیگا کہ تارک سنت مؤکدہ معتوب اور مستحق ملامت ہوگا - اور دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام نے ہمیشہ باجماعت تراویح پر بطور ارشاد یا عملی طور سے مواظبت کی ہے وہ حدیث جسکی روایت امام بخاری نے عبد اللہ بن عبد الرحمن بن عبد سے کی ہے کہ تحقیق انہوں نے کہا کہ میں رمضان کی ایک رات میں حضرت عمر رض کے ساتھ

از فتاوی مولانا عبد الحی ۲/ ۱۲

الخطاب رضی اللہ عنہ لیلۃ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسہ ویصلی الرجل فیصلی بصلاتہ الرھط فقال عمر انی اری لو جمعت ھؤلاء علی قاریٔ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابی بن کعب ثم خرجت معہ لیلۃ اخری والناس یصلون بصلاۃ قارئھم قال عمر نعم البدعۃ ھذہ والتی ینامون عنھا افضل من التی تقومون یرید اخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ ۔ وقال بدرالدین العینی فی بحث طہارۃ البنایۃ شرح الہدایۃ سیرۃ العمرین لاشک ان فی فعلھا ثواب وفی ترکھا عقاب لانا امرنا بالاقتداء بھما بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابابکر وعمر فاذا کان الاقتداء مامورا بہ یکون واجبا وتارک الواجب یستحق العقاب و

مسجد میں گیا پس دیکھتا کیا ہوں کہ لوگ الگ الگ جھنڈ میں کہیں ایک ہی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے۔ اور کہیں کسی کے پیچھے پانچ دس آدمی ہیں پس حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں ان سبکو ایک ہی قاری کے پیچھے اکٹھا کردوں تو اچھا ہوگا۔ پھر انہونے یہی ٹھانکر ان سبکو ابی بن کعب کے مقتدی کردیا۔ پھر میں اسکے ساتھ نکلا دوسرے ایک راتکو اور لوگ نماز پڑھتے تھے اپنے امام کے پیچھے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا اچھی بدعت ہوئی یہ لیکن وہ نماز جس سے وہ سوتے ہیں بہتر ہے بنسبت اس نماز کے جسکو وہ لوگ ادا کرتے ہیں مراد انکا آخر لیل ہے اور لوگ اول لیل کو نماز ادا کرتے تھے۔ اور کہا بدرالدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ کے بحث طہارت میں کہ سیرت حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ ایسی ہے کہ اسکی متابعت کرنے میں بلاشک و شبہ ثواب ہے۔ اور ترک کرنے میں عذاب ہے اسلئے کہ ہم انکی اقتدا کرنے کیلئے مامور ہیں جیسا کہ ارشاد آنحضرت صلعم ہے کہ اقتدا کرو تم ان دو کی جو میرے بعد ہیں حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کی پس جب انکی اقتدا اور پیروی کرنے کیلئے امر ثابت ہوا ہے تو اقتدا واجب ہوا اور تارک واجب مستحق عذاب و عتاب ہوگا۔

العذاب انتهى - وفي شرح المشكوة للطيبي قوله نعمت البدعة هذه يريد
صلوة التراويح فانه في حيز المدح لانه فعل من افعال الخير وفيه تحريض على
الجماعة المندوب اليها وانكانت لم تكن في عهد ابي بكر فقد صلاها رسول
الله صلى الله عليه وسلم وانما قطعها اشفاقا من ان تفرض على امته وكان
عمر ممن نبه عليها وسنها على الدوام فله اجرها واجر من عمل بها الى يوم
القيمة - وروى الفقيه ابو الليث في تنبيه الغافلين عن ابيه بسنده عن
علي رضي الله عنه انه قال انما اخذ عمر هذه التراويح من حديث سمعه مني
قالوا وما هو يا امير المؤمنين قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول
ان لله تعالى حول العرش موضعا يسمى حظيرة القدس وهو من النور فيها

وعذاب ہوگا - اور امام طیبی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کا (اچھی بدعت ہوئی یہ) کہنے سے
مراد نماز تراویح ہے اور یہ کلمہ معرض مدح میں کہا گیا ہے اسلئے کہ تراویح افعال خیر میں سے ایک فعل ہے اور اسمیں
رغبت دلائی گئی نماز تراویح بجماعت پڑھنے کے طرف جوکہ مستحب ہے اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانے
مین جماعت نہیں ہوا کرتی تھی لیکن نبی کریم ص نے تو خود بذات مبارکہ نماز تراویح مین جماعت کی ہے
اور آپ علیہ السلام نے اسکو منقطع نہیں فرمایا مگر صرف اس بات کے ڈر سے کہ کہیں امت پر فرض نہو جاوے
اور حضرت عمر رض ہی نے اسکی اعلان فرماکر اسکو سنت دائمی قرار دیا پس انکو اس کا ثواب اور عمل کرنے والوں کا
ثواب قیامت تک جاری ہے - اور روایت کی فقیہ ابو اللیث نے تنبیہ الغافلین میں اپنے والد سے کہ انہوں نے
روایت حضرت علی سے کہ انہونے فرمایا کہ حضرت عمر نے مسئلہ تراویح کو نہیں لیا مگر اس حدیث سے جو کہ انہونے مجھسے سنا
لوگونے پوچھا اے امیر المومنین وہ کونسی حدیث ہے تو فرمایا کہ میں سنا رسول اللہ ص کو فرماتے ہوئے کہ اللہ تعالی
کو عرش کے ارد گرد ایک جگہ ہے جسکا نام حظیرۃ القدس ہے وہ جگہ نور کی بنی ہوئی ہے - اسمیں

ملائکۃ لا یحصی عددھم الا اللہ یعبدون اللہ تعالی عبادۃ لا یفترون ساعۃ
فاذا کان لیالی شھر رمضان استاذنوا ربھم ان ینزلوا الی الارض فیصلون مع
بنی آدم فینزلون کل لیلۃ الی الارض فیصلون مع بنی آدم فکل من مسھم او مسوہ
سعد سعادۃ لا یشقی بعدھا ابدا فقال عمر نحن احق بھذا فجمع الناس للتراویح
ونصبھا الی ابی بن کعب انتھی۔ قال ابن الحجر العسقلانی سماھا عمر بدعۃ والبدعۃ
اصلھا ما احدث علی غیر مثال سبق وتطلق فی الشرع فی مقابلۃ السنۃ۔ وقال
القسطلانی وقد رغب فیھا عمرؓ بقولہ نعمت البدعۃ ھذہ وھی کلمۃ تجمع المحاسن
کلھا کما ان بئس تجمع المساوی کلھا وقیام رمضان لیس بدعۃ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم

اتنے ملائکہ ہیں جنکی تعداد و شمار سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا ہے وہی اللہ کی عبادت کرتے
ہیں اور اس سے کسی وقت تکان یا سستی نہیں پاتے ہیں پس جب رمضان شریف کی راتیں ہوتی
ہیں تو وہ ملائکہ اپنے پروردگار سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ زمین پر اتر کر بنی آدم کے ساتھ نماز
پڑھیں چنانچہ انکو اجازت ملتی ہے اور وہ ہر رات کو زمین پر اُتر کر بنی آدم کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں
پس ہر وہ شخص کہ اُنسے چھوئے یا وہ کسی سے چھوئیں تو وہ شخص سعادتمندی پاتا ہے ایسی سعادتمندی
کہ اسکے بعد شقاوت کا خطرہ نہیں جب یہ حدیث حضرت عمر نے سنی تو کہا کہ ہم زیادہ مستحق ہیں
اس سعادت کے چنانچہ اسی بنا پر لوگوں کو تراویح کیلئے جمع کیا اور ابی بن کعب کو امام مقرر کر دیا۔ کہا حافظ نے
کہ حضرت عمر نے تراویح کو بدعت اسلئے کہا کہ اصل لغت کے اعتبار سے بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جسکی
مثال سابق زمانے میں نہیں گذری ہو گی اگرچہ شریعت میں لفظ بدعت سنت کے مقابلہ بولا جاتا ہے لیکن
یہاں وہ مراد نہیں۔ اور کہا امام قسطلانی نے کہ تحقیق حضرت عمر نے لفظ نعمت البدعۃ کہنے
سے سخت رغبت دلائی تراویح کی طرف اسلئے کہ لفظ نعم تمام خوبیوں کو جمع کرتا ہے جیسا کہ لفظ بئس تمام
برائیوں کو جمع کرتا ہے اور قیام رمضان ہرگز بدعت جو کہ خلاف سنت ہے نہیں ہو سکتا ہے اسلئے کہ آنحضرت نے

قال اقتدوا بالذین من بعدی ابابکر وعمر واذا اجتمعت الصحابۃ مع عمر علی
ذلک زال عنہ اسم البدعۃ انتہی کلام القسطلانی ومن قال لیس فی البدعۃ
مایمدح بل کل بدعۃ ضلالۃ فقد اساء الادب بالناطق بالصواب سیدنا
امیر المومنین عمر بن الخطاب وھو مبنی علی عدم فہم مرامہ وقد کان عمر اعلم
بحدیث کل بدعۃ ضلالۃ ممن اساء الادب بالایراد علیہ - وفی شرعۃ الاسلام
المراد من السنۃ التی یجب التمسک بہا ما کان علیہ القرون المشہود لہم بالخیر
والصلاح والرشاد وھم الخلفاء الراشدون ومن عاصر سید الخلائق ثم
الذین بعدھم من التابعین ثم الذین من بعدھم فما احدث بعد ذلک من امر
علی خلاف مناھجہم فہو من البدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وقد کانت الصحابۃ

ارشاد فرمایا ہے کہ اقتدا اور پیروی کرو میرے بعد ابوبکر اور عمر کی پس جب تمام صحابہ حضرت عمر کیساتھ
نماز تراویح قائم کرنے پر متفق و مجتمع ہوئے تو اس سے نام بدعت بھی نہ رہا ختم ہوا کلام قسطلانی کا
اور جو شخص یہ کہے کہ بدعت میں سے کوئی بدعت قابل مدح نہیں ہے بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے تو اُسنے
نہایت بی ادبی کی اس صاحب کی نسبت جو کہ بصواب بولتے تھے - یعنے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب
اور ایسا کہنا نافہم و ناسمجھ ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حضرت عمرؓ ضرور حدیث کل بدعۃ ضلالۃ کو
بہ نسبت معترض بے ادب کے زیادہ جانتے تھے - اور شرعۃ الاسلام میں ہے کہ مراد اس سنت سے جسکا تمسک
کرنا واجب ہے وہ سنت ہے جس پر قرون ثلثہ کا عملدرآمد تھا کیونکہ انکی بہتری و نیک بختی و ہدایت یاب
ہونیکی گواہی خود نبی کریمؐ نے دی ہے اور وہ خلفای راشدین اور وہ اصحاب جو کہ حضرت سید عالم کے
ہمعصر تھے - پھر انکے بعد حضرات تابعین اور انکے بعد حضرات تبع تابعین ہیں پس جو کچھ ان قرون ثلثہ کے بعد
انکے طریقہ کے خلاف مقرر کیا جاوے تو وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے - اور تحقیق حضرات صحابۃ

ینکرون اشد الانکار علی من احدث او ابتدع رسما لم یتعهد وہ فی عہد النبوۃ قل فی ذلک او کثر صغر ذلک او کبر انتہی - وقال یعقوب بن سید علی الرومی فی مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام المراد ان کل بدعۃ فی الدین کانت علی خلاف مناہجہم وطریقتہم فہو ضلال والا فقد حققوا ان من البدع ما ھی حسنۃ مقبولۃ کالاشتغال بالعلوم الشرعیۃ وتدوینہا ومنہا ما ھی سیئۃ مردودۃ وھی ما احدث بعدہم علی خلاف مناہجہم بحیث لو اطلعوا علیہ لانکروہ انتہی وفی الطریقۃ المحمدیۃ لمحمد افندی البرکلی الرومی آن قیل کیف التطبیق بین قولہ علیہ الصلوۃ والسلام کل بدعۃ ضلالۃ وبین قول الفقہاء ان البدعۃ قد تکون مباحۃ کاستعمال المنخل والمواظبۃ علی اکل الحنطۃ والشبع منہ وقد

سخت ممانعت فرماتے تھے اس شخص پر جو کوئی نو ایجاد رسم قائم کرتا جس کا عہد نبوت میں کوئی ثبوت نہ ہوتا تھا چاہے وہ کام تھوڑا سا ہوتا یا زیادہ چھوٹا سا کام ہوتا یا بڑا سا ختم ہوا کلام - اور کہا یعقوب بن سید علی رومی نے مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام میں کہ مراد یہ ہے کہ جو کوئی بدعت دین میں قرون ثلثہ کے خلاف ہو تو وہ گمراہی ہے ورنہ یہ تو متحقق امر ہے کہ بدعت کے کئی قسمیں ہیں جنمیں سے بعض بدعت حسنہ اور مقبولہ ہے جیسا کہ علوم شرعیہ کے ساتھ اشتغال رکھنا اور اسکا لکھنا - اور بعض انمیں سے بدعت سیئہ مردودہ میں اور وہ ایسے امور ہیں جو کہ قرون ثلثہ کے بعد برخلاف انکے طریقہ کے ایجاد کئے گئے ہیں ایسے امور کہ اگر وہ اسپر مطلع ہوتے تو ضرور ممانعت کرتے - اور طریقہ محمدیہ میں ہے (جو کہ محمد افندی برکلی رومی کی کتاب ہے) کہ اگر کہا جاوے کہ کیونکر ارشاد نبوی اور قول فقہا میں تطبیق دیجا سکتی ہے کیونکہ ارشاد نبوی کل بدعۃ ضلالۃ ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ بدعت کبھی مباح ہوتی ہے جیسا کہ چھلنی کا استعمال کرنا اور ہمیشہ گندم کا استعمال کرنا اور اس سے پیٹ بھر کے کھانا

تکون مستحبة کبناء المدارس والمنارة وتصنیف الکتب بل قد تکون واجبة کنظم الدلائل لرد شبهات الملاحدة ونحوهم۔ قلنا للبدعة معنی لغوی عام وهو المحدث مطلقا عادة کانت او عبادة لانها اسم من الابتداع بمعنی الاحداث کالرفعة من الارتفاع والخلفة من الاختلاف وهذه هی المقسم فی عبارة الفقهاء یعنون بها ما احدث بعد الصدر الاول مطلقا۔ ومعنی شرعی خاص هو الزیادة فی الدین والنقصان منه الحادثان بعد الصحابة بغیر اذن الشارع لا قولا ولا فعلا ولا صریحا ولا اشارة فلا یتناول العادات اصلا بل یقتصر علی بعض الاعتقادات وبعض صور العبادات فهذه هی مراده صلی الله علیه وسلم

اور کبھی مستحب بھی ہوتی ہے جیسا کہ مدرسے اور مینارے بنانا اور کتابیں تصنیف کرنا۔ بلکہ کبھی واجب بھی ہوتی ہے جیسا کہ ملحدوں کے شبہات دور کرنے کیلئے دلائل قائم کرنا اور اسکے مانند اور چیزیں ہم جواب دیتے ہیں کہ بدعت کے دو معنے ہوتے ہیں ایک لغوی جو کہ عام ہے وہ ہر ایک نئی بات چاہیے وہ از قسم عادت ہو یا عبادت اسلئے کہ بدعت مشتق ہے ابتداع بمعنے احداث سے جیسے رفعت ارتفاع سے اور خلفت اختلاف سے اور یہی مقسم ہے عبارت فقہاء میں۔ اور وہ اس سے ہر وہ کام جو کہ صحابہ کرام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوا ہو مراد لیتے ہیں بغیر کسی قید کے۔ اور دوسرا معنے شرعی جو کہ خاص ہے اور وہ زیادتی یا کمی کرنا ہے دین کے امورات میں جو زیادتی و کمی حضرات صحابہ کے بعد شارع علیہ السلام کے اذن کے بغیر واقع ہوئی ہو۔ اور شارع نے نہ قولاً نہ فعلاً نہ صراحۃً نہ اشارۃً اذن دیا ہو۔ پس یہ معنے بدعت کے عادات کو ہرگز شامل نہیں ہے بلکہ یہ خاص بعض عقائد اور عبادات کے بعض صورتوں کو شامل ہے پس یہی بدعت یعنے بدعت شرعیہ ارشاد نبوی میں مراد ہے۔

بدلیل حدیث فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین وقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انتم اعلم بامر دنیاکم وقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من احدث فی امرنا مالیس منہ فھو رد انتہی۔ وفی الحواشی الطریقۃ المحمدیۃ لخواجہ زادہ قولہ بعد الصحابۃ اما الحادث فی زمان الخلفاء الراشدین فلیس ببدعۃ لان سنتہم کسنۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بدلیل الامر بالتمسک بسنتہم انتہی۔ وفی الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ لعبد الغنی النابلسی عند قول المصنف بعد الصدر الاول ھم السلف المتقدمون فی زمان الرسول علیہ السلام والصحابۃ لقولہ علیہ السلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی فما حدث فی زمانہم فلیس ببدعۃ والبدعۃ ماحدث بعد زمانہم وزمان

اور اسکی دلیل حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین اور دوسری دلیل فرمانا آنحضرت کا تم لوگ دنیا کے معاملات کو زیادہ جانتے ہو اور تیسری دلیل آپکا ارشاد کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسا کام ایجاد کیا جو کہ دین میں سے نہو تو وہ کام مردود ہے اور طریقہ محمدیہ کے حاشیہ میں ہے (جو کہ خواجہ زادہ نے کیا ہے) قولہ بعد الصحابہ یہ اسلئے کہا ہے کہ جو کام خلفاء راشدین کے زمانے میں ایجاد ہوا ہو تو وہ بدعت نہیں کہلاتا ہے۔ اسلئے انکی سنت مثل سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ سلم ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ آپ ہی نے خلفای راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا ارشاد فرمایا ہے ختم ہوا۔ اور حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ (جو کہ عبد الغنی نابلسی کی تصنیف ہے) مصنف کے اس قول (بعد صدر الاول) کے بعد یہ ہے کہ صدر اول سے سلف صالحین صحابہ کرام جو کہ عہد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں متقدم تھے مراد ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لازم پکڑو تم میری سنتکو اور خلفاے راشدین کی سنتکو میرے بعد پس جو امر انکے زمانہ میں ایجاد ہوا ہو تو وہ بدعت نہیں بلکہ بدعت وہ امر ہے جو کہ انکے زمانے

التابعین وتابعیہم انتہی۔ فہذہ اقوال العلماء ناصۃ علی ان ماحدث فی زمان الصحابۃ والتابعین بل وتابعیہم من غیر نکیر لیس بداخل فی بدعۃ و الارتکاب بہ لیس بضلالۃ۔ والتفصیل فی ھذا المقام ان ماکان فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سواء کان فعلہ بنفسہ اوفعلہ اصحابہ وقررھم علی ذلک لیس ببدعۃ اتفاقا۔ ومالم یکن فی عہدہ بل حدث بعدہ فھو بدعۃ بالمعنی العام بمعنی المحدث مطلقا بعد العہد النبوی وھولایخلو اما ان یکون من قبیل العادات اومن قبیل العبادات۔ فان کان الاول فھو لیس ببدعۃ ضلالۃ اصلا مالم یدل علیہ دلیل شرعی علی قبحہ۔ وان کان الثانی وھولا یخلو اما ان یکون حدث فی زمن الصحابۃ بان فعلہ الصحابۃ کلھم او بعضھم او

اور تابعین صحابہ کے زمانے اور تبع تابعین کے زمانے کے بعد ایجاد ہوا ہو ختم ہوا۔ پس یہ تمام اقوال علماء کرام کے صاف اور صراحۃً اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو امر صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانے میں کسی کے انکار کے بغیر قرار پایا ہو تو وہ بدعت میں ہرگز داخل نہیں اور اسپر عمل کرنا ہرگز گمراہی نہیں اور تفصیل اسکی اس مقام پر یوں ہے کہ جو کچھ کہ عہد نبی کریم صلعم میں ثابت ہوا ہو چاہے وہ خود آپ صلعم علیہ السلام کا فعل ہو یا فعل صحابہ ہو جن پر کہ آپنے تائید کی ہو تو اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ ہرگز بدعت نہیں اور جو امر عہد نبوت میں ثابت نہو بلکہ آپکے بعد پایا گیا ہو تو وہ بدعت بمعنے عام ہے یعنے مطلق کوئی نیا کام جو کہ عہد نبوت کے بعد ہو۔ اور یہ خالی نہیں ہے اس بات سے کہ وہ یا از قسم عادات ہوگا یا از قسم عبادات پس اگر از قسم عادات ہوگا تو وہ ہرگز بدعت ضلالہ میں داخل نہیں جبتک کہ اسکی قباحت پر کوئی دلیل شرعی قائم نہو۔ اور اگر از قسم عبادات ہو تو وہ اس بات سے خالی نہیں کہ یا تو وہ امر صحابہ کرام کے زمانے میں حادث ہوا ہو اسطرح پر کہ انمیں سے سب نے یا بعض نے اسکام کو کیا ہو

فعل فی زمانہم مع اطلاعہم علیہ وآما ان یکون حدث فی زمان التابعین وآما ان یکون حدث فی زمان تابعی التابعین وآما ان یکون حادثا بعد ذلك الی یومنا ھذا۔ اما الحادث فی زمان الصحابۃ فلا یخلوا اما ان یوجد النکیر علی ذلك او لم یوجد مع اطلاعہم علی ذلك فالاول بدعۃ ضلالۃ داخلۃ فی کل بدعۃ ضلالۃ مثالہ الخطبۃ قبل الصلوۃ فی العیدین فعلہ مروان بن الحکم وانکرہ علیہ ابوسعید الخدری کما اخرجہ البخاری وغیرہ عن الخدری انہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر ویوم الاضحی فاول شئ یبدأ بہ الصلوۃ ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفہم فیعظہم ویوصیہم ویامرہم فلم یزل الناس علی ذلك حتی خرجت مع مروان وھو امیر المدینۃ فی

یا انکے زمانے میں کسی شخص نے کیا ہوا ور انکو بھی اسکی اطلاع ہوئی ہو یا وہ امر تابعین کے زمانے میں حادث ہوا ہو یا تبع تابعین کے زمانے میں حادث ہوا ہو۔ یا اسکے بعد یعنے قرون ثلاثہ کے بعد ہمارے زمانہ تک کسی وقت کسی زمانے میں حادث ہوا ہو۔ پس جو کچھ صحابہ کے زمانے میں حادث ہوا ہو تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اسپر انکا انکار بھی پایا گیا ہو۔ یا باوجود اطلاع کے انکار نہیں پایا گیا ہو۔ پس پہلی قسم بدعت اور گمراہی ہے جو کہ کل بدعۃ ضلالۃ کے اندر داخل ہے۔ مثال اسکی خطبہ پڑھنا نماز عید سے پہلے ہے جو کہ مروان بن حکم نے کیا تھا اور اسپر ابو سعید خدری نے انکار کیا جیسا کہ امام بخاری وغیرہ نے ابو سعید خدری ؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ تھے نبی کریم ؐ کہ نکلتے تھے عید فطر اور عید ضحی کو عید گاہ میں پس سب سے پہلے جس کام سے ابتدا کرتے تھے وہ نماز ہوتی تھی پھر اسکے بعد اس سے فارغ ہو کر لوگوں کے طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہوتے تھے۔ اور لوگ صفوں پر بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ پس آپ وعظ اور وصیت اور امر فرماتے تھے۔ پس لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہے یہاں تک کہ میں ایک دفعہ مروان کے ساتھ جب کہ وہ امیر مدینہ تھا

عید الضحیٰ او فطر فلما اتینا المصلی اذا منبر بناہ کثیر بن الصلت فاذا مروان یرید ان یرتقیہ قبل ان یصلی فجذبت ثوبہ فجبذنی فارتفع فخطب قبل الصلوٰۃ فقلت لہ غیرتم واللّٰہ فقال یا ابا سعید قد ذہب ما تعلم فقلت ما اعلم واللّٰہ خیر مما لا اعلم فقال ان الناس لم یکونوا یجلسون لنا بعد الصلوٰۃ فجعلتہا قبل الصلوٰۃ۔ وکذلک رفع الیدین للدعاء فی الخطبۃ فعلہ بشر بن مروان وانکرہ علیہ عمارۃ کما اخرجہ مسلم وابو داؤد وغیرہما عن حصین بن عبد الرحمن قال رای عمارۃ بن رویبۃ بشر بن مروان وھو یدعو فی یوم الجمعۃ فقال قبح اللّٰہ ھاتین الیدین لقد رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

عید ضحی یا عید فطر میں نکلا۔ پس جب پہنچے ہم عیدگاہ میں تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک منبر جو کہ کثیر بن صلت نے بنایا تھا رکھا ہوا ہے۔ اور مروان نماز سے پہلے اسپر چڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ تو میں نے اسکے کپڑے کو کھینچا۔ لیکن اُسنے کپڑے کو میرے ہاتھ چھڑا کر منبر پر چڑھ گیا۔ پس اس نے خطبہ نماز سے پہلے پڑھا تو میں نے کہا کہ قسم خدا کی تم لوگوں نے طریقۂ نبوی کو بگاڑ دیا۔ پس مروان نے کہا اے ابو سعید جو تجھکو معلوم ہے وہ تو گذر گیا میں نے کہا خدا کی قسم جو میں جانتا ہوں وہی بہتر ہے اس سے جو کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ پھر مروان نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد نہیں بیٹھتے ہیں اسلئے میں نے خطبہ ہی کو نماز سے پہلے پڑھنا شروع کیا ہے۔ اور اسیطرح ہاتھ اٹھانا دعا کیلئے درمیان خطبہ کے۔ اس کام کو پہلے بشر بن مروان نے کیا۔ اور اسکی ممانعت حضرت عمارہؓ نے کی جیسا کہ امام مسلم اور ابو داؤد وغیرہما نے حصین بن عبد الرحمن سے روایت کی ہے کہ کہا انہوں نے کہ عمارہ بن رویبہ نے بشر بن مروان کو خطبہ جمعہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے اسکو بد دعا دی اور کہا کہ برا کرے اللہ تعالےٰ ان دونوں ہاتھوں کا تحقیق دیکھا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو

وهو علی المنبر ما یزید علی هذه یعنی السبابة التی تلی الابهام۔ والثانی ان لا یوجد منهم النکیر بل الرضاء والتوافق فلیس ببدعة شرعیة وان اطلق انه بدعة بمعنی العام فیقید ذلک بانه بدعة حسنة فمن ذلک الاذان الاول یوم الجمعة کما اخرجه البخاری وابن ماجة والترمذی وغیرهم عن السائب بن یزید قال کان النداء یوم الجمعة اوله اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر فلما کان عثمان کثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء قال النووی انما جعل ثالثا لان الاقامة ایضا تسمی اذانا۔ ومن ذلک تعدد صلوٰة العید فی مصر واحد کما قال شیخ الاسلام

منبر پر تشریف رکھتے ہوئے اور وہ اسپر زیادہ نہیں کرتے تھے یعنے شہادت کی انگلی پر یعنے صرف اسکو اٹھاتے تھے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ اسپر انہوں نے ممانعت وانکار نہ کیا ہو۔ بلکہ انسے رضامندی اور موافقت ثابت ہوئی ہو پس وہ بدعت شرعی نہیں اگرچہ اسپر بدعت بمعنے العام کا لفظ اطلاق ہوسکتا ہے لیکن جب اسکو حسنہ سے قید کی جائیگی تو عموم سے نکل جائیگا۔ اور اسکی دوسری مثال جمعہ کی پہلی اذان ہے جیساکہ امام بخاری اور ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہ نے سائب بن یزید سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ پہلی اذان جمعہ کی اسوقت ہوتی تھے جبکہ امام منبر پر چڑھتا تھا اور یہی عمل عہد نبوی اور خلافت ابوبکر اور عمر میں تھا۔ پس جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے اور لوگ بہت کثرت جمع ہونے لگے تو حضرت عثمان نے تیسری اذان زوراء پر زیادہ کی۔ کہا امام نووی نے کہ یہ اذان تیسری اذان اسلئے ہوئی کہ اقامت بھی ایک اذان کہلائی جاتی ہے۔ اور اسی کی دوسری مثال متعدد جگہ ایک ہی شہر میں نماز عید ادا کرنا ہے جیساکہ علامہ شیخ الاسلام

ابن التیمیہ فی منہاج السنۃ احدث علی بن ابی طالب فی خلافتہ العید الثانی
بالجامع فان السنۃ المعروفۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر
وعمر وعثمان انہ لا یصلی فی المصر الا جمعۃ واحدۃ ولا یصلی یوم النحر والفطر
الا عید واحد فلما کان عہدہ قیل لہ ان بالبلد ضعفاء لا یستطیعون
الخروج الی المصلی فاستخلف علیہم رجلا صلی بالناس فی المسجد انتہی ومن ذلک
تذکیر الناس المسمی بالوعظ فی عرفنا کما قال تقی الدین احمد بن علی المقریزی المصری
المؤرخ فی کتاب المواعیظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار ذکر عمر بن شیبۃ
قیل للحسن متی احدث القصص قال فی خلافۃ عثمان قیل ومن اول من قص قال

ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں کہا کہ یہ کام یعنے متعدد جگہ نماز عید پڑھنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
اپنی خلافت میں جاری کیا ہے چنانچہ انہوں نے جامع کوفہ میں دوسری نماز عید پڑھوائی اسلئے کہ مشہور
معروف سنت نبی کریمؐ اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان ذی النورین یہی تھا کہ ایک شہر میں سوا ے
ایک جگہ کے نماز جمعہ اور کسی جگہ ادا نہ کیا جاوے وعلی ہذا القیاس عید الضحی اور عید الفطر سوا ے ایک جگہ کے
نماز عید اور کسی جگہ ادا نہ کیجائے پس جب عہد خلافت حضرت علی تھا تو اُنسے درخواست کی گئی کہ شہر میں
بہت ضعیف لوگ جو کہ عیدگاہ میں نہیں جاسکتے ہیں موجود ہیں انکو شہر ہی میں نماز عید ادا کرنیکی اجازت دیجاوے
تو انہونے درخواست منظور کرکے ایکشخص کو خلیفہ بنایا جسنے ان لوگونکو جامع مسجد میں عید نماز پڑھائی اور
تیسری مثال اسکی عام لوگونکو نصیحت کرنا ہے جسکو ہمارے عرف میں وعظ کہتے ہیں جیسا کہ کہا تقی الدین
احمد بن علی مقریزی مصری مؤرخ نے کتاب المواعیظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار میں کہ ذکر کیا عمر بن
شیبہ نے کہ سوال کیا گیا حسن بصری سے کہ یہ وعظ خوانی کب سے جاری ہوئی انہونے کہا یہ خلافت
حضرت عثمان میں جاری ہوئی پھر اُنسے پوچھا گیا کہ پہلے کس نے وعظ خوانی کی کہا کہ

تمیم الداری، وذکر عن ابن شہاب قال اول من قص فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمیم الداری استاذن عمر ان یذکر الناس فابی حتی کان آخر ولایتہ فاذن لہ ان یذکر فی الجمعۃ قبل ان یخرج عمر فاستاذن تمیم عثمان فاذن لہ ان یذکر یومین فی الجمعۃ فکان تمیم یفعل ذلک انتہی ومن ذلک الاجتماع فی لیالی رمضان بعشرین رکعۃ من التراویح حدث ذلک فی زمان عمر وقال ہو فی حقہ نعمت البدعۃ ہی سماہا بدعۃ باعتبار المعنی العام ووصفہا بالحسن اشعارا بانہ لیس کل محدث عام ضلالۃ ولم یرد المعنی الشرعی حتی یرد ان کل بدعۃ ضلالۃ فکیف توصف بالحسن انتہی۔ ہذا کلہ فی اقامۃ الحجۃ ونقل عنہ بتلخیص یسیر۔ والذی نص علیہ ابن التیمیۃ فی منہاج السنۃ وغیرہ ہو ان عموم الحدیث

تمیم داری نے۔ اور ابن شہاب سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے کہا کہ اول جس نے وعظ خوانی کی مسجد نبوی میں وہ تمیم داری تھے انہوں نے پہلے حضرت عمر سے اجازت طلب کی تھی کہ وہ لوگوں کو وعظ کیا کرے لیکن حضرت عمر نے اجازت نہ دی۔ پھر خلافت کے آخری زمانہ میں جمعہ کے دن وعظ کرنے کی اجازت دی بشرطیکہ حضرت عمر کے خطبہ کیلئے نکلنے سے پہلے ہو۔ پھر حضرت عثمان سے بھی تمیم داری نے اجازت طلب کی تو انہوں نے ہفتہ میں دو دن وعظ پڑھنے کی اجازت عطا کی چنانچہ پھر تمیم داری ایسا ہی کرتے تھے۔ اور چوتھی مثال اسکی (جو کہ مقصود ہے) جمع ہونا رمضان شریف کے راتوں میں تراویح کی بیس رکعتیں ادا کرنے کیلئے ہے یہ امر حضرت عمر رض کے زمانے میں حادث ہوا اور خود حضرت عمر رض نے اسکے حق میں لفظ نعمت البدعۃ فرمایا۔ حضرت عمر نے اسکو باعتبار عام معنے کے بدعت نام رکھا اور اسکی صفت لفظ حسن سے کی تاکہ یہ معلوم ہو جاوے کہ ہر نیا محدث ضلالت نہیں ہوتی ہے اور حضرت عمر نے ہرگز معنے شرعی مراد نہیں لیا ہے تاکہ کل بدعۃ ضلالۃ کا اشکال وارد ہو اگر وہی معنے مراد ہوتے تو کیونکر لفظ حسن سے اسکی صفت فرماتے یہ سارا اقامۃ الحجہ سے نقل کیا گیا۔ اور وہ بات جسکی تصریح علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ وغیرہ میں

بالنسبة الى البدعة الشرعية والبدعة في قول عمر محمولة على البدعة اللغوية
فلا تخالف بين مدح عمر رضي الله عنه البدعة وذم الرسول صلى الله عليه وسلم
البدعة - انتهى كلام ابن التيمية قال الشوكاني في السيل الجرار في هذه المسئلة
ما لفظه اقول اما التراويح فقد ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم انه صلى في
ليالي رمضان وائتم به جماعة وعلم بهم ثم ترك ذلك مخافة ان تفرض عليهم وهذا
ثابت في احاديث صحيحة في الصحيحين وغيرهما وبهذا يتقرر ان صلوة النوافل
في ليالي رمضان جماعة سنة لا بدعة لان النبي صلى الله عليه وسلم لم يترك ذلك
الا لذلك العذر - وفي حديث ابي ذر انه صلى الله عليه وسلم صلى بهم النافلة
في ليالي رمضان فكيف تكون الجماعة بدعة ولم يقع من عمر رضي الله عنه الا

جو لفظ بدعت آیا ہے اسکے معنے بدعت شرعیہ ہے - اور جو لفظ بدعت حضرت عمرؓ کے قول میں
آیا ہے وہ بدعت لغویہ پر محمول ہے پس حضرت عمرؓ کے بدعت کو مدح کرنے اور آنحضرت کے بدعت
کو ذم کرنے میں کوئی مخالفت نہیں ہوئی - ختم ہوا کلام ابن تیمیہ کا - اور کہا علامہ شوکانی نے سیل
الجرار میں اس مسئلہ پر جسکے الفاظ یہ ہیں کہ میں کہتا کہ لیکن نماز تراویح پس وہ حضرت آنحضرت سے
ثابت ہے کہ انہوں نے رمضان شریف کی چند راتوں میں نماز تراویح پڑھی اور ایک جماعت نے
انکے پیچھے اقتدا بھی کی جنکا پیچھے سے اقتدا کرنا آپکو معلوم بھی ہوا لیکن پھر فرض ہو جانیکے خوف سے
اسکو ترک کیا اور یہ صحیح حدیثوں میں ثابت ہے یعنے صحیحین وغیرہ میں - اور اسی سے ثابت ہوتا ہے
کہ رمضان شریف کی راتوں میں نفل نمازیں جماعت سے پڑھنا سنت ہی ہے بدعت ہرگز نہیں اسلئے
کہ نبی کریم ؐ نے سوائے فرض ہو جانے کے خوف کے اور کسی وجہ سے ترک نہیں کیا - اور حدیث ابی
ذر میں ہے کہ آنحضرت ؐ نے صحابہ کیساتھ رمضان شریف کی راتوں میں نفل نماز بجماعت پڑھی پس
کیونکر جماعت بدعت ہو سکتی ہے اور حضرت عمر سے تراویح میں جماعت قائم کرنا واقع نہیں ہو مگر

لما خرج الی المسجد فوجد الناس اوزاعا متفرقین یصلی الرجل لنفسہ ویصلے الرجل فیصلی بصلاتہ الرھط فقال انی اری لوجمعت ھؤلاء علی قاری واحد لکان اولی ثم عزم فجمعھم علی ابی ابن کعب رضی اللہ عنہما فقد کانت الجماعۃ فی المسجد موجودۃ بعد موت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقبل ان یجمعھم عمرؓ۔ وبھذا نعرف ان التجمیع فی النوافل فی لیالی رمضان سنۃ لا بدعۃ۔ انتہی قول الشوکانی کذا فی عون الباری للنواب۔ وقال ابو الولید الباجی المالکی وابن التین و غیرھما استنبط عمر رضی اللہ عنہ ذلک من تقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی معہ فی تلک اللیالی وان کان کرہ ذلک لھم فانما کرھہ خشیۃ ان تفرض علیھم فلما مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم حصل الامن من ذلک ورجح عند عمر ذلک

اسی وقت جبکہ وہ مسجد میں نکلے اور لوگونکو الگ الگ جھنڈ میں پایا کہیں ایک شخص الگ نماز پڑھ رہا ہے۔ اور کہیں کسی کے پیچھے پانچ دس آدمی نماز پڑھ رہے ہیں پس حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں ان سبکو ایک ہی قاری کے پیچھے اکٹھا کردوں تو اچھا ہوگا۔ پھر انہوں نے یہی ٹھانکر ان سبکو ابی بن کعب کے مقتدی کردیا۔ پس یہ بات ثابت ہوئی کہ تراویح کی جماعت بعد وفات آنحضرت ؐ اور قبل اسکے کہ حضرت عمرؓ نے اسکی جماعت قائم کی مسجد نبوی میں موجود تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل نمازونکی جماعت رمضان شریف کی راتوںمیں سنت ہے ہرگز بدعت نہیں ختم ہوا کلام علامہ شوکانی کا جوکہ نواب صاحب نے عون الباری میں نقل کیا ہے۔ اور کہا ابو الولید باجی مالکی اور ابن التین وغیرہ نے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کو مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا نبی کریم ؐ کے ان لوگونکو جنہوں نے آپکے پیچھے اُن چند راتوںمیں نماز پڑھی تھی اجازت دینے سے اخذ کیا۔ گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکے لئے ناپسند فرمایا۔ لیکن ناپسند فرمانا صرف فرض ہونیکے خوف سے تھا پس جب آپکی وفات ہوئی تو پھر فرض ہونیکا خوف باقی نہ رہا۔ اور حضرت عمرؓ کے نزدیک بھی یہی مرجح ہوا۔

لما في الاختلاف من افتراق الكلمة ولان الاجتماع على واحد انشط لكثير من المصلين والى قول عمر رض جنح الجمهور فاستمر عليه عمل الصحابة وسائر المسلمين وصار من الشعار الظاهرة كصلوة العيد - فتح الباري وقال ابن بطال الشافعي قيام رمضان سنة لان عمر اخذه من فعل النبي صلى الله عليه وسلم وقال ابن عبد البر المالكي لم يسن عمر رضي الله عنه الا ما رضيه رسول الله صلى الله عليه و سلم ولم يمنعه من المواظبة الا خشية ان يفرض على امته وكان بالمومنين رؤفا رحيما - زرقاني وفتح الباري ملخصا - وذكر في الاختيار ان[۱] ابا يوسف سال ابا حنيفة عنها وما فعله عمر رض فقال التراويح سنة مؤكدة ولم يخرجه عمر من

کیونکہ اختلاف میں تفرقہ کا اندیشہ ہے۔ اور اسلئے کہ ایک ہی شخص کے پیچھے جمع ہونے سے اکثر نمازیوں کو زیادہ لطف آتا ہے پھر حضرت عمر کی رائے کیطرف جمہور صحابہ مائل ہو کر سب کا عمل اسی پر جاری رہا یعنے تمام صحابہ اور انکے بعد سارے مسلمان یہی کرتے رہے۔ اور یہ بھی مثل نماز عید کے اسلام کا ایک یادگار مقرر ہوا۔ فتح الباری۔ اور کہا ابن بطال شافعی نے کہ قیام رمضان یعنے تراویح سنت ہے اسلئے کہ حضرت عمر نے اسکو نبی کریم کے فعل سے اخذ کیا اور ابن عبد البر مالکی نے کہا کہ حضرت عمر نے مقرر نہیں کیا مگر ایسے ایک کام کو جسکی مرضی خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تھی اور نبی کریم ؐ کو مواظبت و مداومت کرنے پر کوئی چیز سوائے خوف فرض ہونے کے مانع نہیں ہوا کیونکہ وہ اپنی امت پر شفیق اور بڑے مہربان تھے۔ زرقانی و در فتح الباری ملخصا۔ اور اختیار میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسف نے حضرت امام ابو حنیفہ سے تراویح کے متعلق پوچھا کہ حضرت عمر نے یہ کیا کیا حضرت امام نے فرمایا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے حضرت عمر نے ہرگز اسکو اپنی طرف سے نہیں نکالا

(ایک کتاب کا نام ہے ۱۲)

۱؎ اس عبارت میں اگرچہ کوئی عدد مذکور نہیں مگر ظاہر ہے کہ تراویح ہی جس امر کی نسبت حضرت عمر کیطرف کیجاتی ہے وہ درحقیقت عدد بیست رکعت ہے کیونکہ ثبوت نفس تراویح بروایات صحیحہ آنحضرت سے ثابت ہے پھر اسمیں ابو یوسف کا یہ سوال کہ ما فعلہ عمر اور امام صاحب کا جواب محض لغو ہے البتہ بیس رکعت اسکے عدد کا ثبوت بظاہر سوائے حدیث کے نہیں ہے اسمیں یہ سوال و جواب ہو سکتا ہے ۱۲ مؤلف

تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يامر به الا عن اصل لديه وعهد من
رسول الله صلى الله عليه وسلم انتهى وهكذا فى البحر الرائق وتعاليق الانوار
وقال ابن الحاج المالكى فى المدخل فان قال قائل قد تقرر ان قيام رمضان
فى المسجد سنة فما وجه ترك ابى بكر رضى الله عنه لها۔ فالجواب ان ابابكر كان
مشتغلا بما هو اعظم من ذلك واهم فى الدين وهو قتال اهل الردة ومانعى الزكوة
وبعث الجيوش الى الشام وغير ذلك وما جرى له مع مسيلمة الكذاب وغيره
وتراكم الفتن عند انتقال النبى صلى الله عليه وسلم مع شغله بجمع القرآن وتدوينه
مع قصر مدته رضى الله عنه فلم يتفرغ لما تفرغ له امير المومنين عمر بن الخطاب
فبان ما ذكروا واتضح والله الموفق۔ انتهى قول ابن الحاج۔ الحاصل ان عمر بن

کیونکہ حضرت عمرؓ (العیاذ باللہ) کوئی بدعتی نہیں تھے۔ انہوں نے اس کا امر نہیں کیا مگر کسی دلیل اور
عہد سے جو کہ انکے پاس موجود تھی رسول اللہ صلعم سے اور اسی طرح بحر الرائق اور تعالیق الانوار میں ہے اور
کہا ابن الحاج مالکی نے کتاب مدخل میں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب نماز تراویح مسجد میں جماعت کیساتھ
پڑھنا سنت ٹھرا تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اس سنت کو ترک کر دیا۔ جواب یہ ہے
کہ حضرت ابوبکر صدیق اس سے بڑھکر ضروری امور میں مصروف تھے جنکی اہمیت دین میں زیادہ تھی
مثلاً مرتدوں کے ساتھ جنگ کرنا اور مانعین زکوۃ سے لڑنا اور شہر شام کی طرف لشکر بھیجنا۔ اور مسیلمہ
کذاب سے مقابلہ کرنا اور ان فسادات وفتنوں کو روکنا جو کہ نبی کریم کے انتقال پر ملال کے بعد قائم ہوئے
تھے۔ باوجود اس کے وہ قرآن مجید کے جمع کرنے کیطرف بھی مشغول تھے اور علاوہ اسکے ان کا
زمانہ خلافت بالکل کم تھا اسلئے انہوں نے اس امر کی طرف فراغت نہ پائی جس امر کی طرف
امیر المومنین عمر ابن الخطاب نے فراغت پائی پس وہ شبہ دور ہو کر حقیقت امر واضح ہوگئی اور اللہ
توفیق دینے والا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہی

الخطاب رضی احیی هذہ السنۃ واقامہا فی سنۃ اربع عشر من الہجرۃ وامر ابیا ان یصلی بالناس
واما عدد رکعات التی کان یصلیہا بہم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
فالمعروف الذی علیہ الجمہور انہ عشرون رکعۃ وما رواہ مالک عن السائب
بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابی ابن کعب و تمیما الداری ان
یقوما للناس باحدی عشر رکعۃ۔ فقد قال ابن عبد البر المالکی روی غیر مالک
فی ھذا الحدیث احدی وعشرون رکعۃ وھو الصحیح ولا اعلم احدا قال فیہ
احدی عشر رکعۃ الا مالکا ویحتمل ان یکون ذلک اولا ثم خفف عنہم لطول
القیام ونقلہم الی احدی وعشرین رکعۃ الا ان الاغلب عندی ان قولہ احد
عشرۃ رکعۃ وھم انتہی قولہ۔ قال الزرقانی ولا وھم مع ان الجمع بالاحتمال

تراویح کے سنت کو بطریق تشریع زندہ کیا اور اسکو ۱۴ ہجری میں قائم کرکے ابی بن کعب کو لوگوں کی امامت کیلئے مقرر کیا
اب رہی ان رکعات کی تعداد جو کہ ابی بن کعب لوگوں کو پڑھاتے تھے
پس ہمیں معروف و مشہور جس پر عمل جمہور رہے یہ ہے کہ وہ بیس رکعتیں تھیں۔ اور جو روایت امام مالک نے
سائب بن یزید سے نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ امر کیا حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو
کہ وہ لوگوں کو تراویح گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ تو ہمیں عبد البر مالکی نے کہا کہ امام مالک کے سوا اور
راویوں نے اسی روایت میں سائب بن یزید سے بجائے گیارہ رکعتوں کے اکیس رکعتیں نقل کیا ہے
اور وہی صحیح ہے کیونکہ اس حدیث کے راویوں میں سے کسی ایک نے بھی سوائے امام مالک کے
گیارہ رکعتوں کا ذکر نہیں کیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ شروع میں ایسا ہی ہوا ہو پھر اخیر میں طول
قیام میں تخفیف کرکے اکیس رکعتیں کر دیا ہو مگر میرے نزدیک اغلب یہی ہے کہ لفظ احدیٰ عشرہ وہم راوی ہے
یعنی امام مالک کو وہم ہوا ہے ختم ہوا کلام ابن عبد البر کا۔ امام زرقانی کہتے ہیں کہ جب ان دو روایتوں میں جمع کرنا اس احتمال سے

الذی ذکرہ ابن عبد البر قریب وبہ جمع البیہقی ایضا۔ انتہی قولہ
ومما یدل علی ان عمر رضی اللہ عنہ امر ابیاً ان یصلی بہم عشرین رکعۃ
ما رواہ مالک من طریق یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید ان عمرؓ امر ابی
بن کعب ان یصلی بہم عشرین رکعۃ قال الحافظ ھذا محمول علی غیر الوتر وما
روی البیہقی عن یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ انہ قال
کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین
رکعۃ واسنادہ صحیح ورجالہ کلہم ثقات وقال ابن عبد البر المالکی وروی
الحارث بن عبد الرحمن ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ انہ
قال کان القیام علی عہد عمر رضی اللہ عنہ بثلاث وعشرین رکعۃ قال ھذا محمول

جو کہ ابن عبد البر نے بھی خود ذکر کیا بالکل قریب ہے تو پھر وہم بتانیکی کیا ضرورت ہے اور اس احتمال مذکور سے امام بیہقی نے بھی جمع کیا ہے
اور منجملہ اُن روایات کے جنسے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب کو بیس رکعتیں پڑھنیکا امر فرمایا
وہ حدیث جسکی روایت امام مالک نے بسند یزید بن خصیفہ سائب بن یزید سے کی کہ تحقیق
حضرت عمر نے ابی بن کعب کو امر کیا کہ وہ نماز تراویح لوگونکو بیس رکعتیں پڑھاوے چنانچہ حافظ
ابن حجر نے کہا کہ یہ محمول ہے سوائے وتر پر اور وہ حدیث ہے جسکی روایت کی امام بیہقی نے یزید بن
خصیفہ سے اور انہوں نے سائب بن یزید سے انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر کے زمانے میں ماہ
رمضان میں تراویح بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور سند اسکی صحیح ہے۔ اور راوی اسکے سب معتبر ہیں
اور ابن عبد البر مالکی نے کہا کہ روایت کی حارث بن عبد الرحمن بن ابی ذباب نے بھی سائب بن یزید سے
کہ انہوں نے کہا کہ نماز تراویح حضرت عمر کے زمانے میں تیئیس رکعتیں ہوتی تھیں اسکے بعد ابن
عبد البر نے کہا کہ یہ محمول ہے

علی ان الثلاث للوتر واخرج البیهقی فی معرفة السنن والاثار بوجه اخر عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید رضی الله عنه وقال اخبرنا ابو طاهر الفقیه قال اخبر ابو عثمان البصری قال حدثنا ابو احمد محمد بن عبد الوهاب قال اخبرنا خالد بن مخلد قال حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنی یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید رضی الله عنه قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب رضی الله عنه بعشرین رکعة والوتر۔ ومارویٰ شیخ البخاری ابو بکر بن ابی شیبة عن یحیی بن سعید رضی الله عنه ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه امر رجلا ان یصلی بهم عشرین رکعة ومارویٰ ابو بکر بن ابی شیبة عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب رضی الله عنه یصلی فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر

اس بات پر کہ تین رکعتیں اسمیں سے وتر کیلئے تھیں۔ اور وہ حدیث جو کہ امام بیہقی نے کتاب السنن والآثار میں دوسری سند سے بروایت یزید بن خصیفہ از سائب بن یزید لایا ہے چنانچہ وہ سند اسطرح پر ہے کہ امام بیہقی نے کہا کہ ہمکو خبر دی ابو طاہر فقیہ نے انہوں نے کہا ہمکو خبر دی ابو عثمان بصری نے انہوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی ابو احمد محمد بن عبد الوہاب نے انہوں نے کہا کہ ہمکو خبر دی خالد بن مخلد نے انہوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی محمد بن جعفر نے انہوں نے کہا کہ مجھسے حدیث بیان کی یزید بن خصیفہ نے وہ روایت کرتے ہیں سائب بن یزید سے انہوں نے کہا کہ ہم حضرت عمر کے زمانے میں تراویح بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور وہ حدیث جو کہ استاد امام بخاری یعنے ابوبکر بن ابی شیبہ نے یحیی بن سعید سے روایت کی کہ تحقیق حضرت عمر نے ایک شخص کو امر کیا کہ وہ لوگونکو نماز تراویح بیس رکعتیں پڑھاوے۔ اور وہ حدیث جسکی روایت ابوبکر بن ابی شیبہ نے عبد العزیز بن رفیع سے کہ انہوں نے کہا کہ ابی بن کعب مدینہ پاک میں ماہ رمضان میں تراویح بیس پڑھتے تھے اور تین رکعت

بثلاث وروی ابوبکر بن ابی شیبۃ عن عطاء انہ قال ادرکت الناس وھم
یصلون ثلاثا وعشرین رکعۃ بالوتر وروی ابوبکر بن ابی شیبۃ عن نافع
بن عمر بن عبداللہ قال کان بن ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ و
اسنادہ صحیح وروی ابوبکر بن ابی شیبۃ عن سعید بن عبید ان علیا بن
ربیعۃ کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث واسنادہ
صحیح وروی ابوبکر بن ابی شیبۃ عن عبداللہ بن قیس عن شتیر بن شکل انہ
کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر وقال البیھقی فی سننہ وروینا
عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی کرم اللہ وجہہ انہ کان یصلی فی
رمضان عشرین رکعۃ وروی البیھقی عن ابی الخصیف انہ قال کان یؤمنا

وتر۔ اور روایت کی ابوبکر بن ابی شیبہ نے عطاء بن رباح سے انہوں نے کہا کہ میں نے مدینہ پاک
کے لوگوں کو تئیس رکعتیں تراویح پڑھتے ہوئے پایا مع وتر کے۔ اور روایت کی ابوبکر بن ابی
شیبہ نے نافع بن عمر بن عبداللہ سے انہوں نے کہا کہ ابن ملیکہ ہمکو رمضان شریف میں بیس رکعتیں
تراویح پڑھاتے تھے اور سند اسکی صحیح ہے۔ اور روایت کی ابوبکر بن ابی شیبہ نے سعید بن عبید سے
کہ علی بن ربیعہ انکو رمضان شریف میں پانچ ترویحے پڑھاتے تھے اور وتر تین رکعت اور سند اسکی بھی
صحیح۔ اور روایت کی ابوبکر بن ابی شیبہ نے عبداللہ بن قیس سے انہوں نے روایت کی شتیر بن شکل سے
کہ وہ رمضان شریف میں بیس رکعتیں تراویح پڑھا کرتے تھے اور وتر اور کہا امام بیہقی نے اپنے
سنن میں کہ ہمارے پاس بھی شتیر بن شکل سے جو کہ حضرت علی مرتضی کے دوستوں میں سے تھے روایت
پہنچی ہے کہ وہ رمضان شریف میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور روایت کی امام بیہقی نے
ابی الخصیف سے کہ انہوں نے کہا کہ ہمکو امامت کرتے تھے

سوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعة واسناده صحیح وروی مالك عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر رضی الله عنه بثلاث وعشرین رکعة واسناده مرسل قوی۔ واعترض علیه بعض غیر المقلدین (اما للعصبیة واما القلة الدرایة) من سکان الدهلی بالانقطاع وقال ان یزید بن رومان لم یدرك عمر بن الخطاب فالحدیث منقطع فاقول هذا الایراد لا یصح اصلا ولا یجدی له نفعا۔ فان الشیخ الامام الحافظ زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی قال علی ما حکی السیوطی فی تدریب الراوی انه وان روی التابعی عن الصحابة قصة ادرك وقوعها متصل وکذا ان لم یدرك وقوعها ولکن اسند هاله والا فمنقطعة وقال ابن عبد البر المالکی

سوید بن غفلہ رمضان شریف میں پس نماز تراویح پانچ ترویحے یعنے بیس رکعتیں پڑھتے تھے اور سند اسکی صحیح ہے۔ اور اسیطرح امام مالک نے بھی یزید بن رومان سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر کے زمانے میں تراویح تئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور اسکی سند مرسل قوی ہے اگرچہ دہلوی بعض غیر مقلدوں نے یا از روی تعصب کے یا بسبب کم علمی وقلت عبور کے اس روایت پر منقطع ہونیکا الزام لگایا اور کہا کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا لہذا یہ حدیث منقطع ہے پس میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض ہرگز درست نہیں ہے اور محض بیفائدہ اعتراض ہے اسلئے کہ حافظ زین الدین عراقی نے کہا (جیسا کہ امام سیوطی نے تدریب الراوی میں نقل کیا ہے) کہ حقیقت امر یہ ہے کہ اگر کوئی تابعی کسی صحابہ سے کسی ایسے واقعہ کی روایت کرے جسکو اُسنے خود بھی پایا ہو تو وہ حدیث متصل ہے اور اسیطرح اگر اُس نے خود نہیں پایا ہو لیکن اس واقعہ کی سند کسی صحابی تک بیان کرتا ہو تو وہ بھی متصل ہی ہے اور اگر ایسا نہو گا تو وہ حدیث منقطع ہے۔ اور کہا ابن عبد البر مالکی نے

وجميع ما في الموطا من المراسيل وغيرها كلها مسندة وقد صنف ابن عبد البر المالكي كتابا في وصل ما في الموطا من المراسيل والمنقطع والمعضل وقال السيوطي ان ما في الموطا من المراسيل مع كونها حجة عند مالك بلا شرط و عند من وافقه من الائمة هو حجة عندنا ايضا لان المرسل حجة عندنا اذا اعتضد وما من مرسل في الموطا الا وله عاضد او عواضد فالصواب اطلاق ان الموطا صحيح لا يستثنى منه شئ انتهى قوله وقال القاضي ابو الفضل عياض في حق الموطا

اذا ذكرت كتب الحديث فخيهل بكتب الموطاء من تصانيف مالك
اصح احاديثا واثبت حجة واوضحها في الفقه نهجا للسالك
عليه مضى الاجماع من كل امة على رغم خيشوم الحسود المماحك
فعنه فخذ علم الديانة خالصا

کہ موطا میں جتنے احادیث مرسل وغیرہ ہیں وہ سب مسند ہیں یعنے متصل ہیں چنانچہ انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی جسمیں موطا کے تمام مرسل و منقطع اور معضل حدیثوں کو سند پیش کرکے موصول ثابت کردیا۔ اور امام سیوطی نے کہا کہ موطا میں جو کوئی حدیث مرسل ہے وہ باوجود اسکے کہ امام مالک اور انکے ہمخیال ائمہ کے نزدیک بلا کسی شرط کے حجت ہے ہمارے نزدیک بھی حجت ہے گو ہمارے نزدیک حدیث مرسل تب ہی حجت ہے جبکہ وہ دوسری روایات سے مؤید ہو مگر موطا میں کوئی مرسل حدیث ایسا نہیں جسکو کم از کم ایک مؤید بلکہ بہت سے مؤیدات موجود نہیں ہے پس ٹھیک بات یہ ہے کہ موطا میں مطلقا تمام احادیث بلا کسی استثناء کے صحیح ہیں۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے موطا کی مدح میں فرمایا ہے ؎ جسوقت حدیثوں کی کتابوں کا ذکر کیا جاوے تو امام مالک کی تصنیف کردہ موطا لا جو کہ حدیثوں کی اعتبار سے صحیح تر اور دلیل کی اعتبار سے قوی تر اور رفقہ حاصل کرنیوالے کو اس سے واضح تر کوئی راستہ نہیں ہے ہر طبقہ کے لوگوں کا اسپر اتفاق ہے۔ علی رغم انوف کینہ ور حاسدونکے۔ پس خالص علم دینیات کو موطا سے لو۔

ومنه استفد شرع النبی المبارك وشد به كف العناية تهتدی فمن حاد
عنه هالك فی المهالك وقال السيوطی والمنقطع الذی فی الموطا صحيح عند
مالك رحمه الله وقال غيره والمنقطع الذی يرويه ثقة قبل زمان الشافعی صحيح
عند المحدثين فاندفع ما قال المعترض فی رواية يزيد بن رومان وقال
الحافظ ابن الحجر العسقلانی والجمع بين هذه الروايات ممكن باختلاف الاحوال
ويحتمل ان ذلك الاختلاف بحسب تطويل القراءة وتخفيفها فحيث تطيل
القراءة تقل الركعات وبالعكس انتهى وقال القسطلانی فی الجمع بين الروايات
وجمع البيهقی بانهم كانوا يقومون باحدی عشرة ركعة ثم قاموا بعشرين واوتروا
بثلاث وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر رضی الله عنه كالاجماع انتهى وقال

اور نبی مبارک کی شرع اسی سے حاصل کر اسی کو قصد کی ہاتھوں سے مضبوط پکڑو تو ہدایت پاؤ گے اور
جو شخص اس سے پھر گیا تو وہ مہالک میں ہلاک ہونیوالا ہے اور کہا امام سیوطی نے وہ منقطع حدیث
جو کہ موطا میں ہو وہ امام مالک کے نزدیک صحیح ہے انکے سوا اور محدثوں نے کہا کہ جس منقطع حدیث
کی روایت کوئی ثقہ معتبر راوی کرے جو کہ امام شافعی کے زمانے سے پہلے ہو تو وہ حدیث محدثین
کے نزدیک صحیح ہے پس جو اعتراض یزید بن رومان کے حق میں کیا گیا تھا وہ بالکل دور ہوا اور کہا
حافظ ابن حجر نے کہ ان روایات میں جمع کرنا اختلاف احوال پر حمل کرنے سے ممکن ہے اور یہ بھی احتمال
ہے کہ وہ اختلاف قرات کے زیادہ کرنے اور کم کرنے سے تھا یعنے جب قرات قرآن زیادہ کرتے تھے
تو اسوقت رکعات میں کمی کرتے تھے اور جب رکعات میں زیادتی کرتے تو قرات میں کمی کرتے تھے اور کہا قسطلانی
نے ان روایات میں جمع کرنے میں کہ جمع کیا بیہقی نے بایں طور کہ صحابہ کرام نے ابتدا میں گیارہ رکعتیں تراویح
پڑھنا شروع کیا پھر اسکے بعد بیس رکعتیں تراویح اور تین وتر پڑھنا مقرر کیا۔ اور جو کچھ حضرت
عمر کے زمانے میں مقرر ہوا اسپر اجماع منعقد ہوا۔ اور کہا

السیوطی فی الجمع بین الروایات فی المصابیح وکان عمر رضی اللہ عنہ لما امر
بالتراویح اقتصر علی العدد الذی صلاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم زاد فی اخر
(ای صلوٰۃ التہجد ۱۲)
الامر وقال الشیخ عبد الوہاب الشعرانی الشافعی فی الجمع بین الروایات فی
کشف الغمۃ کانوا (ای الصحابۃ) یصلونہا فی اول زمان عمر رضی اللہ عنہ ثلاث
(ای التراویح ۱۲)
عشر رکعۃ وکان القاری یقرأ بالمئین من الایات حتی کان الناس یعتمدون
علی العصی من طول القیام ثم ان عمر رضی اللہ عنہ امر بفعلہا ثلاثا وعشرین رکعۃ
ثلاث منہا وتر فاستقر الامر علی ذلک فی الامصار انتہی۔ وقال ابو الولید الباجی
المالکی ایضا فی الجمع بین الروایات فامرہم عمر رضی اللہ عنہ اولا بتطویل القراءۃ
لانہ افضل ثم ضعف الناس فامرہم بثلاث وعشرین رکعۃ فخفف من طول

سیوطی نے ان روایات کے جمع کرنے میں مصابیح میں کہ حضرت عمر رضؓ نے جب تراویح پڑھنے کا
امر کیا تو شروع میں انہوں نے اس عدد کو اختیار کیا جو کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے نماز تہجد
میں منقول تھا۔ پھر آخر میں اس عدد پر زیادتی کرکے بیس رکعتیں مقرر کر دیا۔ اور شیخ عبد الوہاب
شعرانی نے کشف الغمہ میں ان روایات کے جمع کرنے میں کہا کہ صحابہ کرام در ابتدائے زمان خلافت
حضرت عمر رضؓ تراویح تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور انکا امام سو سو آیتیں والے سورتیں پڑھا کرتا تھا
جس سے مقتدی طول قیام کی تکلیف کی وجہ سے لاٹھیوں پر تکیہ لگا کر نماز میں کھڑے ہوتے تھے
پھر حضرت عمر نے رضؓ بغرض تخفیف امر کیا کہ اب بجائے تیرہ رکعتوں کے تئیس رکعتیں پڑھا کرو جنمیں سے
تین رکعتیں وتر ہونگی پس یہی حکم تمام بلاد اسلام میں جاری ہوا۔ اور کہا ابو ولید باجی نے ان روایات
کے جمع کرنے میں کہ حضرت عمر نے پہلے انکو قراءت دراز پڑھنے کا حکم دیا اسلئے کہ وہ بہتر ہے۔ پھر جب
لوگوں میں ضعف پایا گیا تو پھر حضرت عمر نے تئیس رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا گویا طول قراءت
میں تخفیف کرکے

القراءة واستدرك بعض الفضيلة بزيادة الركعات فكان الامر على ذلك الى يوم الحرة فثقل عليهم القيام فنقصوا من القراءة وزادوا فی الرکعات فجعلت ستا وثلثين غير الشفع والوتر انتهى وقال ابن الحبيب فى الجمع بين الروايات انها كانت اولا احدى عشر ركعة كانوا يطيلون القراءة فثقل عليهم فخففوا القراءة وزادوا فى الركعات فكانوا يصلون عشرين ركعة غير الشفع والوتر بقراءة متوسطة ثم خففوا القراءة وزادوا فى الركعات ستا وثلثين غير الشفع والوتر ومضى الامر على ذلك كما روى محمد بن نصر عن داؤد بن قيس قال ادركت الناس فى امارة ابان بن عثمان وعمر بن عبد العزيز يعنى بالمدينة يقومون بست

زیادتی رکعات سے بعض فضیلت و ثواب کو حاصل کیا پس اسی پر عملدرآمد تھا یہاں تک کہ حرہ کی لڑائی ہوئی پس اتنا قیام بھی لوگوں پر دشوار گذرا تو پھر قراءت میں اور کمی کر کے رکعات میں زیادتی کی گئی چنانچہ چھتیس رکعتیں سوائے شفع و وتر کے کر دی گئیں اور کہا ابن حبیب نے ان روایات میں جمع کرتے ہیں کہ تراویح پہلے گیارہ رکعتیں تھیں جنمیں وہ لوگ طویل قراءت پڑھتے تھے لیکن بعد چندے وہ ان پر گران گذرنے لگا پس انہوں نے عدد رکعات میں زیادتی کر کے قراءت میں تخفیف کی اور بیس رکعتیں سوائے شفع و وتر کے درمیانی قراءت سے پڑھنا شروع کیا۔ پھر بعد چندے اس سے بھی اور تخفیف کے غرض سے رکعات میں زیادتی کر کے قراءت میں اور مزید تخفیف کی اور چھتیس رکعتیں سوائے وتر کے پڑھنا شروع کیا پھر اسی پر عمل چل پڑا۔ جیسا کہ محمد بن نصر نے داؤد بن قیس سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ میں نے لوگوں کو ابان بن عثمان اور عمر بن عبد العزیز کے زمانے میں یعنے مدینہ پاک میں دیکھا کہ وہ چھتیس رکعتیں نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔

وثلثين ركعة ويوترون بثلاث وقال الامام مالك رحمه الله هو الامر القديم عندنا۔ وقال النواب صديق حسن خان نقلا عن القسطلانی انما فعل اهل المدينة هذا لانهم ارادوا بذلك مساواة اهل مكة فيما روى البيهقی فی السنن الكبرى ومحمد بن نصر فی قيام الليل ان اهل مكة كانوا يطوفون سبعا بين كل ترويحتين فجعل اهل المدينة مكان كل سبع اربع ركعات منفردات فكان لهم عشرون ركعة للتراويح وست عشر ركعة بدل طواف اهل مكة وقد حكى الولی بن العراقی ان والده الحافظ لما ولی امامة مسجد اهل المدينة احيى سنتهم القديمة فی ذلك مع مراعات ما عليه الاكثر فكان يصلی التراويح فی

اور تین رکعتیں وتر کی۔ اور کہا امام مالک نے کہ یہ ہمارے نزدیک عمل قدیم تھا اور نواب صدیق حسن خان نے امام قسطلانی سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ مدینہ والوں نے چھبیس رکعتیں اسلئے شروع کیا کہ انہوں نے اہل مکہ کیساتھ مساوات کا ارادہ کیا بیچ اسکے جو کہ بیہقی نے سنن کبری میں اور محمد بن نصر نے قیام اللیل میں روایت کی کہ اہل مکہ نے جب تراویح پڑھنا شروع کیا تو وہ ہر چار رکعت کے بعد خانہ کعبہ کا طواف سات دفعہ کرنے لگے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اہل مکہ کا یہ عمل اور ثواب دیکھکر حصول ثواب کے اشتیاق میں یہ ترکیب نکالی کہ چار رکعت تراویح کے بعد اور چار رکعت بغیر جماعت پڑھنی شروع کیا تاکہ طواف کا قائم مقام ہو جاوے کیونکہ مدینہ منورہ میں خانہ کعبہ نہونے کے وجہ سے طواف کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی (نعوذ باللہ ایسے جاہل نہیں تھے کہ روضہ مبارکہ کا طواف جاری کرتے اور شرک میں مبتلا ہو جاتے) اور اسی بنا پر ولی بن العراقی نے اپنے والد ماجد کی حکایت نقل کی کہ جب وہ مدینہ منورہ کی ایک مسجد میں امام مقرر ہوئے تو انہوں نے انکی سنت قدیمہ کو تازہ کیا۔ اور جو عمل اکثر لوگ کرتے تھے اسکی بھی رعایت کی اسطرح پر کہ تراویح حسب دستور

اول اللیل بعشرین رکعۃ علی المعتاد ثم یقوم اٰخر اللیل فی المسجد بست عشر رکعۃ فیختم فی الجماعۃ فی شھر رمضان ختمتین واستمر علی ذلک اھل المدینۃ فھم علیہ الی الاٰن فنسال اللہ تعالی الکریم المنان ان یبلغنا صلوتھا کذلک فی ذلک المکان فی عافیۃ وامان استودع اللہ تعالی ذلک ونعمۃ الاسلام قالہ القسطلانی ونقلہ النواب فی کتابہ عون الباری شرح صحیح البخاری وقال الامام الشافعی رحمہ اللہ رایت الناس یقومون بالمدینۃ بتسع وثلثین و بمکۃ بثلاث وعشرین ولیس فی ذلک ضیق ولاحدٌ ینتھی الیہ لانہ نافلۃ فان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وھذا احب الیّ وان اکثروا الرکوع والسجود

بیس رکعتیں پڑھ لینے کے بعد آخر شب میں اٹھکر پھر مسجد میں سولہ رکعتیں پڑھتے تھے اور اسطرح انکو رمضان شریف میں جماعت کے ساتھ دو دفعہ ختم قرآن کرنے کا موقعہ ملتا تھا۔ اور اسی پر اہل مدینہ کا عمل جاری رہا اور وہ آجتک اسی پر عمل کر رہے ہیں پس ہم بھی اللہ تعالے سے سوال کرتے ہیں کہ ہمکو بھی وہاں پہنچکر ایسی ہی نماز اسی مقام مقدس میں ادا کرنا نصیب کرے اور امن و عافیت بخشے اس دعا اور نعمت اسلام کو اللہ تعالے کے پاس ودیعت رکھتا ہوں یہ امام قسطلانی کا کلام نواب صاحب نے نقل کیا۔ اور کہا امام شافعی نے کہ میں نے اہل مدینہ کو خاص مدینہ میں انتیس رکعتیں تراویح مع وتر کے پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اور اہل مکہ کو مکہ میں تیئس رکعتیں اور اسمیں کوئی تنگی نہیں نہ اسمیں کوئی معین حد ہے جسپر انتہا ہو اسلئے کہ یہ نفل نماز ہے اگر لوگ چاہیں کہ قیام کو زیادہ کریں اور رکعات میں کمی کریں یعنے بیس ہی رکعات پڑھیں تو وہ بھی اچھا اور مجھے یہی پسند ہے اگر چاہیں تو رکعات میں زیادتی کریں اور قیام میں تخفیف کریں وہ بھی اچھا ہے

؎ فثبت بان عشرین کان علیہ الاکثر وھو المعتاد وکان ھو الفرض سبقلہ ھھنا ۱۲ مؤلف

فخمسن نقله البيهقی فی المعرفة وقال الحليمی ومن اقتدی باهل المدينة
فقام بست وثلثين فحسن ايضا لانهم انما ارادوا بما صنعوا الاقتداء باهل
مكة فی الاستكثار من الفضل لا المنافسة كما ظن بعضهم قال والاقتصار علی
عشرين مع القراءة فيها بما يقرأه غيره فی ست وثلثين ركعة افضل "ای الحليمی" لفضل
طول القيام علی كثرة الركوع والسجود انتهی وقال الحنابلة والتراويح عشرون
ركعة ولا بأس بالزيادة "ای مع" نصا عن الامام احمد رحمه الله انتهی كلام القسطلانی
بتمامه علی حديث عمر بن الخطاب رضی الله عنه الذی نقله النواب وقال الترمذی
واختلف اهل العلم فی قيام رمضان فرای بعضهم ان يصلی احدی واربعين ركعة
مع الوتر وهو قول اهل المدينة والعمل علی هذا عندهم بالمدينة واكثر

نقل کیا اسکو امام بیہقی نے معرفۃ السنن میں۔ اور کہا حلیمی نے کہ جو شخص اہل مدینہ کا اقتدا
کرتے ہوئے چھتیس رکعتیں تراویح پڑھے تو اچھا ہے اسلئے کہ انہوں نے چھبیس رکعتیں پڑھنے
سے اہل مکہ کی اقتدا کی تاکہ زیادہ فضیلت حاصل ہو نہ یہ کہ اہل مکہ سے رشک بازی تھی جیساکہ
بعض لوگوں نے خیال کیا اور کہا حلیمی نے کہ باوجود اسکے بیس رکعتوں ہی پر اکتفا کرنا اور اسی
میں قرآن مجید کا وہ حصہ پڑھ لینا جو کہ چھتیس میں پڑھ لیا جائے افضل ہے کیونکہ اس صورت میں
دو نو فضیلتیں یعنے طول قیام اور کثرت سجود حاصل ہونگی اور کہا حنبلیوں نے کہ ہمارے نزدیک
بھی تراویح بیس رکعتیں ہیں اور اس سے زیادہ میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ امام احمد حنبل سے عدم ممانعت
کی تصریح ہے ختم ہوا کلام قسطلانی کا حدیث عمر بن الخطاب پر جو کہ نقل کیا نواب صاحب نے عون الباری
میں اور کہا امام ترمذی رح نے کہ اختلاف کیا اہل علم نے تراویح کی رکعتوں میں بعض علما نے اکتالیس رکعتیں
مع وتر کے پڑھنا اختیار کیا اور یہی قول اہل مدینہ کا ہے چنانچہ اسی پر انکا عمل ہو رہا ہے اور بہت سے

اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم یصلون عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارك و الشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة اقول هذا ابو عیسے الترمذی من اجلة ائمة اهل الحدیث نقل مذهب اهل الحدیث فلم ینقل عن احد منهم انه اختار ثمان رکعات للتراویح - فهذا محل معان النظر فی حقیقة الامر فلیتامل المتاملون وقال العینی فی شرح البخاری قال ابن عبد البر المالکی وروی الحارث بن عبد الرحمن بن ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه بثلاث وعشرین

علمانے بیس رکعتیں پڑھنا اختیار کیا ہے اسلئے کہ حضرت علی اور حضرت عمرؓ وغیرہ صحابہ سے منقول ہے کہ وہ بیس رکعتیں تراویح پڑھا کرتے تھے اور یہی مذہب ہے سفیان ثوری اور ابن المبارک اور امام شافعی رح کا - اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر یعنے مکہ شریف میں لوگوں کو بیس ہی رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا میں کہتا ہوں کہ یہ حضرت امام ترمذی جو کہ محدثوں کے بڑے رتبہ کے امام ہیں تراویح کی تعداد رکعات میں اہل حدیث یعنے محدثوں کے مذاہب نقل کرتے ہیں آنکھیں کھولکر دیکھنا چاہیئے کہ کیا کسی محدث کا آٹھ رکعتیں اختیار کرنا بھی نقل کیا ہرگز نہیں یہ مقام قابل غور ہے پس اگر حق جو اور حق شناس اسی پر تامل کریں تو تشفی قلب کیلئے یہی کافی ہے - اور کہا علامہ عینی شارح بخاری نے کہ کہا ابن عبد البر مالکی نے کہ روایت کی حارث بن عبد الرحمن بن ذباب نے سائب بن یزید سے کہ انھوں نے کہا کہ نماز تراویح حضرت عمر کے زمانے میں تئیس رکعتیں تھیں

رکعۃ وقال ابن عبد البر وھذا محمول علی ان الثلاث للوتر وقال شیخنا وما حملہ علیہ فی الحدیثین صحیح بدلیل ما روی محمد بن نصر من طریق یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید انہم کانوا یقومون فی رمضان بعشرین رکعۃ فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ واما اثر علی رضی اللہ عنہ فذکر وکیع عن حسن بن صالح عن عمر بن قیس عن ابی الحسناء عن علی رضی اللہ عنہ انہ امر رجلا یصلی بہم فی رمضان بعشرین رکعۃ واما اثر غیرھما فروی ذلک عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رواہ محمد بن نصر المروزی قال اخبرنا یحیی بن یحیی قال اخبرنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن زید بن وھب الجھنی المخضرمی

اور کہا ابن عبد البر نے کہ یہ محمول ہے اس بات پر کہ تین رکعتیں وتر کی تھیں کہا ہمارے استاد نے (یعنی علامہ عینی کے استاد نے ۱۲) کہ ابن عبد البر کا ان دو حدیثوں میں سے یہ مراد لینا صحیح ہے اس دلیل سے جو کہ روایت کی محمد بن نصر نے یزید بن خصیفہ سے اور انہوں نے روایت کی سائب بن یزید سے کہ لوگ نماز تراویح رمضان شریف میں حضرت عمر کے زمانے میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اب رہا اثر حضرت علی کا پس ذکر کیا امام وکیع نے حسن ابن صباح سے انہوں نے عمر بن قیس سے انہوں نے ابی الحسناء سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہ انہوں نے ایک شخص کو امر کیا کہ لوگوں کو نماز تراویح بیس رکعتیں پڑھاؤ۔ اب رہا اثر اور صحابہ کرام کا پس ایک اثر مروی ہے عبد اللہ بن مسعود سے رضی اللہ عنہ جسکی روایت محمد بن نصر مروزی نے اسطرح پر کی کہ کہا ہمکو خبر دی یحیے بن یحیے نے انہوں نے کہا کہ ہمکو خبر دی حفص بن غیاث نے انہوں نے روایت کی اعمش سے انہوں نے روایت کی زید بن وہب جہنی مخضرمی سے

انه قال كان عبد الله بن مسعود يصلي لنا في شهر رمضان فينصرف و
عليه ليل قال الاعمش كان يصلي عشرين ركعة و يوتر بثلاث انتهى كلام
العيني اقول عبد الله بن مسعود هو الذي قال حذيفة بن اليمان رضي الله
عنه فيه كان اقرب الناس هديا و دلا و سمتا برسول الله صلى الله عليه وسلم
ابن مسعود حتى يتوارى منا في بيته ولقد علم المحفوظون من اصحاب
رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ابن ام عبد هو من اقربهم الى الله زلفى (رواه
الترمذي وقال هذا حديث حسن صحيح) وقد علمت ان عبد الله بن مسعود
كان يصلي بهم عشرين ركعة ولا شك في كون هذا العدد محفوظا عنده من

کہ تحقیق انہوں نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ہمکو رمضان شریف میں نماز تراویح اس طرح پر
پڑھاتے تھے کہ جب اس سے فارغ ہو کر چلے جاتے تھے تو ابھی رات کا کافی حصہ باقی ہوتا تھا - کہا
اعمش نے کہ وہ بیس رکعتیں تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے ختم ہوا عینی کا
کلام میں کہتا ہوں کہ عبد اللہ بن مسعود وہ صاحب ہیں جنکے مناقب میں حضرت حذیفہ بن
الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں میں سے زیادہ قریب از روے سیرت کے اور
از روے چال چلن کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبد اللہ بن مسعود تھے جبتک کہ
ہمارے سامنے ہوتے تھے اور تحقیق صحابہ کرام میں سے محفوظ اشخاص جانتے تھے کہ ابن ام عبد
(یعنے عبد اللہ بن مسعود) تمام صحابہ میں سے زیادہ مقرب خدا کے نزدیک باعتبار رتبہ کے تھے
(روایت کی اسکی امام ترمذی نے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے) اور مجھکو تحقیق سے معلوم
ہوا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود انکو نماز تراویح بیس رکعتیں پڑھاتے تھے - اور اسمیں
کوئی شک نہیں کہ یہ عدد انکے پاس خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محفوظ تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولاجل ذلک کان یحافظ علیہ ویلازمہ وقد
علمت ایضاان عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ امرابیا بالعشرین وکذلک امر
علیؓ وعثمانؓ رضی اللہ عنہما بالعشرین فبمقتضے قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا
بالذین من بعدی ومن اصحابی ابی بکروعمرواھتدوابھدی عمارو
تمسکوابعھدابن مسعود کمارواہ الترمذی وقولہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء
الراشدین المھدئین عضواعلیھا بالنواجذ رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ وجب
علی الامۃ الاقتداء بعملھم لانہ صلی اللہ علیہ وسلم الزمھم اتباعھم ورغبھم فیہ
وقال عمربن عبدالعزیز سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وولاۃ الامر بعدہ

اسی وجہ سے اس پر خوب مداومت ومحافظت کیا کرتے تھے یہ بھی تجھکو معلوم ہوا کہ حضرت
عمررضی اللہ عنہ نے بھی ابی بن کعب کو بیس رکعتیں پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ اور اسیطرح حضرت علی
اور حضرت عثمان نے بیس رکعتیں پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے پس باقتضاے ارشاد آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کہ اقتدا کرو میرے بعد میرے اصحاب میں سے ابوبکر اور عمرضؓ کی اور
طریقہ اختیار کرو عمار کا اور مضبوط پکڑو ابن مسعود کے عہد کو (روایت کی اسکی ترمذی نے)
اور باقتضاے اس دوسرے ارشاد کے کہ لازم بنالو اپنے اوپر میری سنت کو اور خلفاے
راشدین کی سنت کو جو کہ ہدایت یاب ہیں اور مضبوط پکڑو اسے کچلیوں سے (روایت کی
اسکی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے) واجب ہوا تمام امت پر اقتدا کرنا انکے عمل کا کیونکہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے انکا اتباع تمام امت پر لازم کردیا۔ اور کہا عمر بن عبدالعزیز نے کہ بہت سے
چیزیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سنت مقرر کی اور بہت سی چیزیں آپ کے بعد
خلفاے راشدین نے سنت مقرر کی

سنّتنا الاخذ بها تصدیق لکتاب اللہ واستعمال لطاعۃ اللہ وقوۃ علی دین اللہ لیس لاحدٍ تغییرھا وتبدیلھا ولا النظر فی رأیٍ من خالفھا من اقتدی بھا فھو مھتدٍ ومن استنصر بھا فھو منصورٌ ومن خالفھا واتبع غیر سبیل المؤمنین ولاہ اللہ ماتولی واصلاہ جھنم وساءت مصیرا انتھی قول امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز نقلہ القاضی عیاض فی الشفاء وقال ابن الحاج المالکی فعلی منوالھم فانسج ان کنت متبعا ان المحب لمن یحب مطیع وھم سادتنا وقدوتنا الی ربنا فینبغی الاتباع لھم والاقتفاء لآثارھم المبارکۃ لعل برکۃ ذلک تعود علی المتبع لھم اقول ویعلم من اتفاق الصحابۃ واجماعھم علی عدد

جنکو اختیار کرنا قرآن مجید کی تصدیق اور فرمان آلہی کی اطاعت کرنا اور دین میں قوت حاصل کرنا ہے۔ ہرگز کسی شخص کو اسمیں تغیر و تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو شخص اسکی مخالفت کرے اسکی طرف دیکھنا بھی نہ چاہیئے اور جس شخص نے انکی سنت کی اقتداء کی تو وہ ہدایت یاب ہے اور جس نے انکی سنت سے مدد طلب کی وہ نصرت یاب ہے اور جس نے اسکی مخالفت کرکے مسلمانوں کے طریقہ کے بغیر اور کوئی طریقہ اختیار کیا تو اللہ تعالےٰ اُس سے بسبب اسکے اعراض کے اعراض کرتا ہے اور اسکو جہنم جو کہ نہایت بری جگہ ہے پہنچا دیتا ہے تمام ہوا کلام امیر المومنین عمر بن عبد العزیز کا جو کہ نقل کیا قاضی عیاض نے کتاب الشفاء میں اور کہا ابن الحاج نے صحابہ کی طرز پر تو بھی عمل کر اگر تجھے متابعت کا خیال ہے کیونکہ محب اپنے محبوب کا تابع ہوتا ہے صحابۂ کرام خدا کی راہ میں ہمارے سردار اور ہمارے پیشوا ہیں پس ہمکو انکا اتباع کرنا چاہیئے اور قدم بقدم انکے پیچھے چلنا چاہیئے تاکہ اسکی برکت انکے تابعین پر عائد ہو اور صحابۂ کرام کے اس عدد پر اتفاق و اجماع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

العشرين ان هذا العدد كان محفوظا عند جميعهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى لم يعترض عليه احد منهم بل عمل عليه كل من كان موجودا على بسيط الارض من الصحابة علماً بانه سنة سنية ولو لم يكن عندهم ماثورا عن النبي صلى الله عليه وسلم لما اختاروه ابدا ولما اخذوه وما عملوا عليه اصلا ولم ينقل عن احد منهم خلافه فتحقق واستبان ان هذا هو الحق وماذا بعد الحق الا الضلال فالقول بان عشرين بدعة لا اصل له انما هو الجهل والضلال وقلة المعرفة بل عدمها عن حقيقة الحال وقال العيني فى شرح البخارى اما القائلون بالعشرين من التابعين فشتير بن شكل وابن مليكة

کہ بیس کا عدد ضرور انکے پاس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محفوظ تھا تا اینکہ کسی ایک صحابی نے بھی اسپر اعتراض نہیں کیا بلکہ جو کوئی اسوقت صحابہ میں سے تمام عالم میں موجود تھا اس نے اسی پر عمل کیا کیونکہ وہ سب یقیناً جانتے تھے کہ یہ بیشک سنت نبوی ہے اور اگر وہ اسکو خلاف سنت جانتے تو ضرور اسکی مخالفت کرتے اور ہرگز اسکو اختیار نکرتے اور اسپر ہرگز عمل نکرتے اور اسکا خلاف نقل نہیں کیا گیا کسی ایک صحابی سے بھی پس ثابت ہوا اور دلائل حقہ سے روشن ہوا کہ یہی عدد حق اور ثابت ہے اور حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے۔ پس جاہلوں کا یہ کہنا کہ بیس رکعتیں پڑھنا بدعت ہے محض جہل و گمراہی ہے اور حقیقت حال سے بیعلمی اور نادانی ہے۔ اور کہا علامہ عینی نے شرح بخاری میں کہ تابعین میں سے بیس رکعتوں کے قائل شتیر بن شکل اور ابن ابی ملیکہ

والحارث الهمدانی وعطاء بن رباح وابو البختری الطائی وسعید بن ابی الحسن اخو الحسن البصری وعبد الرحمن بن ابی بکر وعمران بن العبدی وقال ابن عبد البر المالکی وهو قول الجمهور من العلماء وبه قال الکوفیون والشافعی و اکثر الفقهاء وهو الصحیح عن ابی بن کعب رضی الله عنه من غیر خلاف من الصحابة (ای العشرین فی التراویح) انتهی کلامه وقال الشیخ ابن القیم الحنبلی الجوزی رحمه الله فی بعض فتاواه ان نفس قیام رمضان لم یوقت النبی صلی الله علیه وسلم فیه عددا معینا بل هو کان صلی الله علیه وسلم لا یزید ولا ینقص فی رمضان ولا فی غیره علی ثلاث عشر رکعة کان یطیل الرکعات فلما جمعهم عمر رضی الله عنه علی ابی بن کعب رض کان یصلی بهم عشرین ثم یوتر بثلاث وکان یخفف القراءة بقدر ما زاد من الرکعات

اور حارث ہمدانی اور عطا بن رباح اور ابو البختری طائی اور سعید بن ابی الحسن حسن بصری کے بھائی اور عبد الرحمن ابن ابی بکر اور عمران بن عبدی ہیں اور کہا ابن عبد البر مالکی نے کہ بیس رکعتیں تراویح میں جمہور علما کا مذہب ہے اور اسی کے قائل کوفہ کے علماء اور امام شافعی اور اکثر فقہا بھی ہیں اور یہی ابی ابن کعب سے بدون خلاف کسی صحابی کے مروی ہے۔ اور کہا علامہ شیخ ابن قیم نے اپنے بعض فتاوی میں کہ تحقیق نفس قیام رمضان میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص عدد معین نہیں فرمایا بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعتوں سے زیادتی یا کمی نہیں کرتے تھے رکعات طول کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پس جب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی ابن کعبؓ کے پیچھے جمع کیا تو وہ بیس رکعتیں تراویح اور تین رکعتیں وتر پڑھاتے تھے۔ اور وہ قراءت میں بقدر زیادتی رکعات کے کمی کرتے تھے۔

ولان ذلك اخف على المأمومين من تطويل الركعة الواحدة ثم كان طائفة من السلف يقومون باربعين ويوترون بثلاث وآخرون قاموا بست وثلاثين و اوتروا بثلاث وهذا شائع فكيف ما قام في رمضان من هذه الوجوه فقد احسن والافضل يختلف باختلاف احوال المصلين فانكان فيهم احتمال القيام فالقيام بعشر ركعات وثلاث بعدها كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي لنفسه في رمضان وغيره وهو الافضل وانكانوا لا يحتملون القيام فالقيام بعشرين افضل وهو الذي يعمل به اكثر المسلمين فانه وسط بين العشر والاربعين وان قام باربعين جاز ولا يكره شئ من ذلك وقد نص على ذلك غير واحد من الائمة كاحمد بن حنبل

اسلئے کہ ایسا کرنا مقتدیوں پر آسان ہوتا ہے بہ نسبت اسکے کہ ایک رکعت میں طول دیا جاوے پھر ایک جماعت سلف صالحین میں سے چالیس رکعتیں تراویح اور تین رکعتیں وتر کی پڑھا کرتی تھی اور دوسری ایک جماعت چھبیس رکعتیں تراویح اور تین رکعتیں وتر پڑھا کرتی تھی[1] اور یہ عمل شایع ہے پس جو شخص جس طریقہ کو اختیار کرے وہ بہتر ہے۔ لیکن افضلیت مقتدیوں کے احوال پر مبنی ہے اگر انمیں زیادہ قیام کرنے کی طاقت ہوگی تو پھر تیرہ رکعتیں باینطور کہ دس رکعتیں تراویح کی اور تین وتر کی پڑھلیں جسطرح خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اکیلے رمضان وغیر رمضان میں پڑھا کرتے تھے اور یہ افضل ہے اور اگر لوگوں میں اسقدر زیادہ قیام کرنے کی طاقت نہو پس بیس رکعتیں پڑھنا افضل ہے بلکہ یہ وہ طریقہ ہے جسپر اکثر اہل اسلام عمل کرتے ہیں کیونکہ یہ طریقہ دس اور چالیس کے درمیان ہے باوجود اسکے اگر کوئی شخص چالیس رکعتیں پڑھ لیا کرے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ کوئی عدد مکروہ نہیں اسلئے کہ امام احمد بن حنبل

[1] ان طریقوں میں سے مراد تین طریقے ہیں بیس رکعتیں یا چالیس رکعتیں۔ یا چھتیس رکعتیں خیال کرنا چاہیئے کہ آٹھ رکعتوں کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے اگر ہوتا تو علامہ ابن قیم ضرور اسکو بھی ذکر فرماتے ۱۲ مؤلف

وغیرہ ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایزاد علیہ ولا ینقص فقد اخطأ انتہی کلام العلامۃ ابن القیم الذی نقلہ النواب صدیق حسن خان وقال ہذا الکلام اعدل الکلمات واقربہا الی الانصاف وابعدہا عن الاعتساف وقال النواب صدیق حسن خان ناقلا عن بعض شراح البخاری والمعروف فی التراویح وہو الذی علیہ الجمہور انہ عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات فذلک خمس ترویحات کل ترویحۃ اربع رکعات بتسلیمتین غیر الوتر وہو ثلاث رکعات وفی السنن البیہقی باسناد صحیح (کما قال ابن العراقی فی شرح التقریب) عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ انہ قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ وقال الحلیمی والسر فی کونہا عشرین

وغیرہ نے اسکی صریح اجازت دی ہے اور جو شخص یہ کہے کہ نماز تراویح میں خاص کوئی عدد معین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے جسپر زیادتی یا کمی کرنا جایز نہیں پس اُسنے صریح خطا[ا] کی ختم ہوا کلام ابن قیم کا جسکو نواب صاحب نے نقل کیا تراویح کے بیس رکعت ہونے کے استدلال میں چنانچہ نواب صاحب اسکو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ کلام نہایت منصفانہ کلام اور تعصب و تعسف سے بالکل خالی ہے اور نواب صاحب نے بعض شارحین صحیح بخاری کے کلام کو نقل کیا کہ تراویح میں مشہور و معروف عدد جسپر جمہور علما کا اتفاق ہے بیس رکعتیں ہیں جو کہ دس سلام اور پانچ ترویحہ سے ہیں کہ ہر ترویحہ چار رکعت اور دو سلام سے ہو سوائے وتر کے اور وہ تین رکعتیں ہیں (سبحان اللہ کسقدر تصریح فرماتے ہیں) اور سنن بیہقی میں بسند صحیح ہے (جیساکہ ابن عراقی نے شرح تقریب میں کہا ہے) سائب بن یزید سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ صحابۂ کرام حضرت عمر کے زمانے میں رمضان شریف میں نماز تراویح میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے - اور کہا حلیمی نے کہ بیس رکعتیں ہونے کی بھید یہ ہے

[ا] آٹھ رکعت کے قائلین علامہ ابن قیم کے ان منصفانہ الفاظ کی طرف خوب غور کریں ۱۲ مؤلف

رکعۃ ان الرواتب فی غیر رمضان عشر رکعات فضوعفت لانہ وقت جد وتشمیر انتہی کلام النواب ثم قال النواب رحمہ اللہ بعد ذلک وفہم مما سبق من انہا بعشر تسلیمات انہ لو صلاہا الحد اربعا اربعا بتسلیمۃ لم یصح وبہ صرح الامام النووی فی الروضۃ تشبیہا بالفرض فی طلب الجماعۃ فلا تغیر عما ورد بخلاف نظیرہ سنۃ الظہر والعصر انتہی کلام النواب

کہ سنن رواتب جو کہ فرائض کیساتھ روزانہ ادا کئے جاتی ہیں وہ دس رکعتیں ہیں پس ماہ رمضان چونکہ زیادہ عبادت کرنیکا وقت ہے اسلئے اسمیں انہی رکعات کو دوچند کردیا گیا۔ ختم ہوا نواب صاحب کا کلام پھر اسکے بعد نواب صاحب فرماتے ہیں کہ عبارت مذکورسے (کہ نماز تراویح دس سلام سے ہے) معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص چارچار رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھے تو صحیح نہیں ہوگا اور اسی کی تصریح امام نووی نے کی روضہ میں اسلئے کہ نماز تراویح کو طلب جماعت میں فرض کیساتھ تشبیہ ہے پس اسکو تغییر نہیں دی جاسکتی ہے بخلاف نظیر سنت ظہر وعصر کے تمام ہوا نواب صاحب کا کلام

ان روایات واقوال سے ظاہر اور ہویدا ہے کہ بیس رکعت تراویح پر عمل صحابہ قرار پایا اور خلفائے ثلاثہ کے عہد برکت مہد میں یہی عدد معمول بہ رہا ہے نہ حضرت عمرؓ نے اولا گیارہ رکعت کا امر فرمایا تھا مگر بعد اسکے بیس رکعت کا حکم دیا اور اسی پر صحابہ کو دوام رہا پھر نہ کسی صحابی سے گیارہ رکعت پڑھنا منقول ہے اور نہ حضرت عمرؓ کا امر فرمانا اور نہ کسی خلیفہ کا بلکہ حضرت علیؓ نے بھی بیس رکعت کا امر فرمایا چنانچہ روایت ابن ابی شیبہ اور بیہقی سے معلوم ہوا سو یہ بطور جمہور کے ہے ورنہ ابن عبد البر گیارہ کی روایت کو مستند نہیں کہتا ہے اُسکے نزدیک زمانہ خلفائے ثلاثہ میں بیس ہی رکعتیں پڑھی گئیں گیارہ رکعتیں ثابت ہی نہیں ہیں بلکہ وہم راوی ہے چنانچہ شرح موطا سے یہ قول اوپر نقل کیا گیا اور ہوسکتا ہے کہ جمہور کے نزدیک بھی ابن عبد البر کا وہم مسلم ہو اس تقدیر پر

ابن عبد البر کا قول مطابق جمہور ہو جائیگا الحاصل تتبع آثار سے ظاہر ہوا کہ صحابۂ کرام علی الخصوص
حضرت عمر کو احداث بدعت میں نہایت احتیاط تھی بلا ضرورت دینی کوئی امر ایجاد نہیں کرتے تھے
بلکہ جو شخص کوئی نئی بات اختیار کرتا تو اس سے بزجر و توبیخ پیش آتے تھے اس امر کی تحقیق میں میں
چند روایتیں بطور شاہد نقل کرتا ہوں عن ابی بکر الصدیق فی جمع المصحف قال قلت
لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عمر ھذا واللہ خیر
فلم یزل یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذلک ورایت فی ذلک الذی رای عمر رواہ
البخاری واخرج الترمذی فی جامعہ عن ابن عبد اللہ المغفل قال سمعنی ابی وانا
فی الصلوۃ اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث قال
ولم ار احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی
الاسلام یعنی منہ الحدیث اب مقام غور ہے کہ حضرت عمر رض جمع قرآن کیلئے فرمائیں جو نہایت
اہم امر تھا اور صدیق اکبر اس سے انکار کریں اور فرماویں کہ جو کام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے نہیں کیا ہم کیسے کریں اور جب زید بن ثابت سے کہا گیا انہوں نے بھی انکار کیا اور یہی
جواب دیا جیسا کہ روایات صحیحہ میں آیا پھر حضرت عمر نے بیس رکعت تراویح کا امر کیا باوجودیکہ یہ
امر اہم اور ضروری نہ تھا مگر کسی نے نہ کہا کہ ہم کیسی اس کام کو کریں جسے رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا
بلکہ انکے امر کو تسلیم کیا اسیطرح حضرت علی رض نے اس نماز سے منع فرمایا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
سے ثابت نہ تھی اور عذاب الٰہی سے ڈرایا اور یہی حضرت علی ہیں کہ بیس رکعت کا امر فرماتے ہیں پھر
کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ یہ اکابر بلا ضرورت فعل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ترک کرکے ایک نئی
بات اختیار کرتے الحاصل اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس رکعت کی سند صحابہ کرام کو پہنچی
ہوگی جس سبب سے تمام صحابہ نے اسکو قبول کیا اور اجماع سکوتی اسپر پایا گیا کیونکہ کسی صحابی سے

انکار بیس رکعت منقول نہیں اگرچہ وہ روایت ہمکو نہ پہنچی اور جو پہنچی وہ بسبب ضعف راوی کے مرتبۂ صحت سے گر گئی اگر یہی روایت غیر صحیحہ قرن اول میں صحیح ہو تو کچھ بعید نہیں کیونکہ عدم صحت اصطلاحی عدم صحت واقعی کو مستلزم نہیں کما ہو مصرح فی الاصول نیز تعیین رکعات بغیر سند ہرگز نہیں ہوسکتی اور اسمیں رائے کو دخل نہیں چنانچہ فتح المنان میں ایک نکتہ حلیمی سے بیس رکعت مقرر ہونیکا نقل کرکے لکھا ہے ولا یذھب علیك ان تقدیر الاعداد من غیر سنة من جانب الشارع لا یجوز بمثل ھذہ النکتة التی ذکرھا الحلیمی فالظاھر انه قد ثبت عندھم صلوة النبی صلی اللہ علیه وسلم کما فی حدیث ابن عباس

فاختارہ عمر انتہی یہ مقدمہ بھی صاحب امداد السنہ کے مسلمات میں سے ہے چنانچہ امداد السنہ کے صفحہ ۴۸ میں لکھتے ہیں کہ تعیین عدد رکعات تو ان چیزوں میں سے ہے کہ قیاس کو اسمیں دخل نہیں جسقدر شارع سے ثابت ہے زیادت اور کمی اسپر روا نہیں انتہی۔ اسی وجہ سے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر نے امر تراویح میں جو کچھ فرمایا وہ انکی ایجاد نہیں بلکہ معتد بہ سنت ہے الحاصل جب یہ معلوم ہوا کہ بیس رکعت صحابہ کا پڑھنا بغیر سند کے نہ تھا۔ اور زیادت اور کمی عدد رکعات میں بدون سند کے نہیں ہوسکتی تو ثابت ہوا کہ مضمون حدیث ابن عباس صحیح ہے فہو المراد والمقصود۔ اور اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ زیادت اور کمی رکعات کی وجہ تطویل و تخفیف قراءت نہیں ہے جیساکہ بعض لکھتے ہیں گو یہ قول بعض معتبرین کا بھی ہے مگر بنظر دلیل قابل اعتبار نہیں کیونکہ اس توجیہ کا مآل یہ ٹھرتا ہے کہ زیادت اور کمی رکعات امر اختیاری تھا۔ جب چاہتے کم کرتے اور جب چاہتے زیادہ کرتے اور اوپر ثابت ہوا کہ زیادت اور کمی رکعات کی بغیر سند کے نہیں ہوسکتی پس وہ توجیہ جو بیہقی سے اوپر منقول ہوئی صحیح نہیں ہوسکتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تراویح کا سنت مؤکد ہونا بدلائل متعددہ

ثابت ہے کوئی اہل علم منصف مزاج نفس تراویح کی سنت مؤکدہ ہونے سے انکار نہیں کرسکتا
کیونکہ قطع نظر مواظبت صحابہ کرام کے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مواظبت حکمی
تراویح پر پائی جاتی ہے یعنے اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی روز تراویح پڑھکر ترک
کردی اور پھر جماعت نہیں پڑھی مگر یہ ترک کرنا بسبب عذر کے تھا اور ہم ثابت کرآئے ہیں
کہ ایسا ترک کرنا مواظبت میں داخل ہے باقی رہا بیس رکعت کا سنت مؤکدہ ہونا فعل صحابہ اور
امر خلفا سے تو ثابت ہی ہے اسمیں تو کسی کو کلام نہیں اور اگر انصاف اور غور کیا جاوے
تو اسکا ثبوت درایۃً خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اگرچہ روایۃ ثبوت میں گفتگو ہو
صحابہ کا بلا انکار اس عدد کو قبول کرلینا اور اسپر ہمیشگی کرنا نہایت قوی دلیل اسبات کی
ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت کا ثبوت قولی یا فعلی ہے جیساکہ اوپر بیان کیاگیا
پس جب بیس رکعت کا ثبوت بطور درایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا اور صحابہ
کرام کی مواظبت اس عدد پر پائی گئی تو بلاشک اس عدد کا سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہوا اب
اگر کوئی شخص بیس رکعت تراویح نہ پڑھے یا اسکے سنت ہونیکا اعتقاد نرکھے وہ بلاشبہ
بدعتی گنہگار ہے اہل اسلام کو اسمیں نہایت احتیاط چاہیئے جہانتک ہوسکے اسکے جاری
اور قائم رکھنے میں سعی کرتے رہیں یہ فعل شعائر اسلام میں سے ہے جیسے عید کی نماز یا
اذان ہے اور یہ وہ سنت ہے کہ مشرق سے لیکر مغرب تک تمام اہل سنت کا معمول بہ اور مختار رہا ہے
اور سلف سے لیکر خلف تک تمام اکابر دین اسکو مانتے چلے آئے ہیں ایسے فعل کو ترک کرنا اور مخالف
عمل اختیار کرنا غیر سبیل مؤمنین کا اتباع کرنا ہے۔ ومن یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما
تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا ⁘ ولیکن ھذا اخر ما کتبناہ فی ھذہ الرسالۃ
وفیہ ایضا حالما فیہ الھدایۃ کفایۃ لمن قصد تحقیق الحق فی ھذا الباب متصدیا

لتحصيل الثواب من الله الكريم الوهاب ورام قرب المعبود بكثرة السجود
متبعا بالرسول صاحب الكرم والجود وبالخلفاء الراشدين الموفين بالعهود
واما من اتبع الهوى بمخالفة سنة الخلفاء فقال لهم ف انه غوى وضل وغوى ولم
يعمل بقول المصطفى اقول له يا ايها السالك بغير بصيرة فى الليل الحالك
حفظت شيئا وغابت عنك اشياء • الا ترى الى ما اختاره الصحابة والتابعون
والمجتهدون والمحدثون والذين انت ومن معك لهم مقلدون • اللهم
اجعلنا بسنته وسنة خلفائه من العاملين وبهديه وهديهم من التابعين
آمين يارب العالمين

الضَّمِيمَة فِى تَحْقِيقِ خُطبَةِ الجُمعَة

اقول ان ترجمة الخطبة يوم الجمعة خلاف السنة النبوية بلا اخفاء ومكروه بلا شبهة و
لا امتراء واورد لازالة عماية اهل الهوى استفتاء بعض الناس وجواب عالم من اجلة العلماء
وهو هذا۔

استفتاء

بسم الله الرحمن الرحيم قال بعض الناس يجب للخطيب ان يترجم الخطبة العربية

ضميمہ تحقیق خطبہ جمعہ میں

میں کہتا ہوں کہ ترجمہ کرنا خطبہ کو جمعہ کے روز سراسر خلاف سنت ہے اور مکروہ بلاشبہہ ہے
میں یہاں پر اہل ہوا کی جہالت دور کرنے کیلئے ایک شخص کا استفتاء اور ایک جلیل القدر عالم کا
جواب پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے۔ (استفتاء) بسم اللہ الرحمن الرحیم بعض لوگ یہ
کہتے ہیں کہ خطیب پر واجب ہے کہ وہ خطبہ عربی کا ترجمہ کرے

انکان المخاطبون اعاجم لا یفقهون العربیۃ کلھم او بعضھم اذ المقصود منھا التذکیر والابلاغ لا الاستماع فقط فمتی لم یفھموا لم یتذکروا وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر العرب وھم یفھمون کلام العربی فلم یحتاجوا الی الترجمۃ کاحتیاج الاعاجم الیھا فاحداث الترجمۃ فی الخطبۃ لحدوث الحاجۃ الیھا وبترک الترجمۃ یفوت المقصود من الخطبۃ فکانت وجودھا کعدمھا اذ لا فائدۃ لھا فکانت الترجمۃ اذاً فرضا لا تصح الخطبۃ الا بھا۔ فیا ایھا العلماء

ھل القائل بھذہ الکلمات مصیب ام لا۔ بینوا توجروا

الجواب الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ علی سید المرسلین قال اللہ عز وجل ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ فمن ھرب

اگر جبکہ سامعین بوجہ عجمی ہونے کے خطبہ عربی سارے یا بعض انہیں نہ سمجھتے ہوں اسلئے کہ خطبہ سے مراد و مقصود نصیحت اور تبلیغ احکام ہے نہ صرف سننا پس جبتک کہ لوگ اسکو نہ سمجھینگے ہرگز کوئی فائدہ وعظ نہوگا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ اہل عرب کو وعظ فرماتے تھے اور وہ سب انکے کلام کو خوب سمجھتے تھے اسلئے وہ ترجمہ کیطرف ایسے محتاج نہیں تھے جیسے عجمی لوگ ہیں پس ترجمہ کرنے کا ایجاد خطبہ اسی حاجت کے پیدا ہونے کیلئے ہوا ہے اور ترجمہ نکرنے کی صورت میں خطبہ کا مطلب فوت ہوجاتا ہے اور اس صورت میں خطبہ کا وجود عدم مساوی ہے اسلئے کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں لہذا یہ کہ سکتا ہے خطبہ کا ترجمہ کرنا فرض ہے ایسا کہ بدون اسکے خطبہ درست نہیں ہوگا پس علمائے کرام بیان فرماویں کہ کیا یہ صحیح ہے یا غلط۔ **الجواب**۔ سب تعریف واسطے اللہ کے ہیں جو کہ تمام موجودات کا پالنے والا ہے اور سب درود و رحمت تمام پیمبروں کے سردار پر نازل ہوں۔ فرمایا اللہ تعالے نے۔ کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے انکے لئے ایسا دین مقرر کیا جسکی خدانے اجازت نہیں دی۔ پس

الی شئ یتقرب بہ الی اللہ من غیران یشرعہ اللہ فقد شرع مالم یاذن بہ اللہ مماحذر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم امتہ فی المجامع والجمع فی خطبتہ بما ھو من جوامع الکلم اخرجہ مسلم فی صحیحہ عن جابر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ واشتد غضبہ حتی کانہ منذر جیش یقول صبحکم ومساکم ویقول بعثت انا والساعۃ کھاتین ویقرن بین اصبعیہ السبابۃ والوسطی ویقول اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ وفی روایۃ النسائی وکل ضلالۃ فی النار وفی ما رواہ ایضا فی الصحیح عن عائشۃ

جو شخص کسی ایسی چیز کیطرف مائل ہو جاوے جس سے تقرب الی اللہ کرے بغیر اس بات کے کہ اللہ تعالے نے اس چیز کو مقرر کیا ہو پس اس شخص نے بھی وہی کام کیا جسکی اللہ تعالے نے اجازت نہیں دی اور بغیر اذن شارع کوئی کام کرنا ایسا مشکل امر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام مجامع ومحافل میں اپنی امت کو اس سے سخت ڈرایا ہے اور ایسے الفاظ فرمائے جو کہ قلیل اللفظ کثیر المعنے ہیں چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تھے تو آنکھیں انکی سرخ ہو جاتی تھیں اور آواز بلند ہو جاتی تھی اور غضب سخت ہوتا تھا کہ گویا ایک بڑی لشکر سے ڈراتے تھے یہ کہتے ہوئے صبحکو لشکر تم پر حملہ کریگی یا شام کو اور فرماتے تھے کہ میں اور قیامت اسطرح بھیجے ہوئے ہیں اور دو انگلیوں یعنے شہادت کی انگلی اور منجلی انگلی کو ملاتے تھے اور اما بعد فرماکر فرماتے تھے کہ تحقیق بہترین کلام قرآن مجید ہے اور بہترین طرق حضرت محمد کا طریقہ ہے اور بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور امام نسائی کی روایت میں اور ہر بدعت جہنم میں ہے۔ اور امام نسائی کی دوسری روایت میں حضرت عائشہ سے مروی ہے

رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد
وفی لفظ الصحیحین من احدث فی امرنا ما لیس منہ فھو رد وفی الحدیث الصحیح
الذی رواہ اھل السنن عن عرباض بن ساریۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین
من بعدی تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور
فان کل بدعۃ ضلالۃ ولا شك ان الخطبۃ یوم الجمعۃ وفی العیدین بغیر
لسان العربی او ترجمتھا بالعجمی من محدثات الامور احدثوا ذلك بعد قرون
الخیر بلا اثارۃ من علم واعتذروا فی ذالک الاحداث بحدوث المقتضی و

اور وہ نبی کریم سے روایت کرتی ہیں کہ جو شخص عمل کرے ایسا عمل کہ ہمارا حکم اسپر شامل نہیں تو
وہ عمل مردود ہے۔ اور لفظ صحیحین میں یوں کہ جو شخص ہمارے دین میں ایسا کام ایجاد کرے جو کہ
دین میں نہو تو وہ مردود ہے اور ایک حدیث صحیح میں ہے جسکی روایت اہل سنن نے عرباض بن
ساریہ سے انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کی کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے میرے
بعد زندہ رہے پس وہ ضرور بہت سے اختلافات دیکھیگا۔ تو اس صورتمیں تم لازمی بنالو میری
سنتکو اور خلفائے راشدین کی سنتکو جو میرے بعد ہونگے اور مضبوط پکڑو اُسے کچلیوں سے۔ اور
دور ہو بدعت کے کاموں سے اسلئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں
کہ جمعہ یا عید کے روز خطبہ عربی زبان کے سوا اور کسی زبان میں پڑھنا یا کسی عجمی زبان میں
اسکا ترجمہ کرنا محدثات الامور یعنے بدعت کے کاموں میں سے ہے جسکو خدا جانے کن لوگوں نے
خیر القرون کے بغیر نقل کرنے کسی علمی مضمون کے ایجاد کیا ہے اور اس بدعت کا عذر انہوں نے
پیدا ہونا مقتضی کا

ضرورة الحاجة اليه وهو عدم معرفة المخاطبين لسان العربي وكثرة الاعاجم القاصرين عن ادراك العربي۔ وما هذا لو علموا الا لتقصرنا في تعلم لسان انزل به الكتاب من ربنا وبعث به الرسول صلى الله عليه وسلم فتفريطنا هذا اوردنا مهلك الابتداع والصحابة رضي الله عنهم مع توفر دواعيهم على تعليم الخلق والنصيحة لهم وتذكيرهم واهدائهم وكان فيهم العجمي ممن لا يعرف العربي وكثرت الاعاجم حين فتحوا بلادهم الفارس والروم ولم يعهد منهم الخطبة بغير لسان العربي ولم يوثر منهم ترجمتها لافهام المخاطبين ولا امروا بذلك احدا فاذا كان لا يخطب احد منهم بالعجمي ولا يترجمها ولا يامر بها احدا كان

اور لاحق ہونا ضرورت کا بیان کیا اور وہ مقتضی اور حاجت سامعین خطبہ کا زبان عربی سے انجان اور ناسمجھ ہونا ہے اور ایسے ہی عجمی لوگونکا کثرت سے موجود ہونا جو کہ عربی زبان جاننے سے بالکل قاصر ہیں لیکن اگر وہ لوگ جانتے کہ یہ عذر (جو کہ نزاز گناہ ہے) نہیں ہے مگر ہمارے ہی کوتاہی کرنے کی وجہ سے اس زبان کے سیکھنے میں ہے جسمیں ہمارے معبود سے ہماری دینی کتاب نازل ہوئی تھی اور جس زبان کو لیکر ہمارے پیغمبر بھیجے گئے ہیں پس ہماری کوتاہی کرنے نے بدعت کی ہلاکت کی جگہ میں اتارا حالانکہ صحابہ کرام باوجود اسکے کہ انکو تعلیم احکام اور نصیحت و وعظ اور ہدایت خلق اللہ کرنے کی شدت ضرورت تھی اور انکی مجالس میں ایسے عجمی لوگ ایکحرف بھی عربی نہ سمجھتے تھے خصوصًا جب بلاد عجم مثل فارس و روم پر انکا قبضہ ہوا لیکن باایں ہمہ انسے خطبہ کسی غیر زبان میں پڑھنا یا سامعین کے سمجھانے کیلئے ترجمہ کرنا کہیں منقول نہیں ہے نہ یہ منقول ہے کہ انہوں نے کسی کو اثناء خطبہ میں ترجمہ کرنیکا امر کیا پس جب یہ ثابت ہوا کہ انمیں سے کوئی صاحب نہ عجمی زبان خطبہ پڑھتا تھا نہ اسکا ترجمہ کرتا تھا نہ دوسرے کسی شخصکو ترجمہ کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ تو پھر ان کا

ترك هذه المصلحة والفضل الموهوم (الذى اخترعه المخترعون) مستلزم لعدم علم الرسول وخير القرون بطريق ابلاغ دين الله ولكتمانهم عن بعض عباد الله وتقصيرهم فى الابلاغ والتذكير المقصود الاصلى فى الخطبة وكل واحد من الملازمين منتف بالشرع والعادة فمع وجود المقتضى وهو تعميم الابلاغ وتعليم جميع المخاطبين من عجمى وعربى وعدم المانع ليس ذلك الا كراهية ان يتعود الرجل بغير العربية التى هى شعار الاسلام ولغة القرآن فترجمتها بغير العربية من شر الامور محدثاتها لا يرضى به الله ولا رسوله ولاجل ذلك جعل اهل العلم كون الخطبة بالعربى شرط الصحة الخطبة واداء السنة قال الامام النووى

اسی وہمی مصلحت و فضیلت کا ترک کرنا اس بات کا مستلزم ہے کہ طریق تبلیغ احکام دین نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا (نعوذ باللہ منہ) نہ خیر القرون کو۔ اور اسبات کا کہ انہوں نے بعض لوگوں سے (جو کہ عربی زبان سے ناواقف تھے) دین پوشیدہ رکھکر تبلیغ احکام میں جو کہ مقصود اصلی ہے خطبہ میں سے کوتاہی کی۔ اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ یہ دونو باتیں دور ہیں آنحضرت اور خیر القرون سے ازروے شرع اور ازروے عادت کے پس قابل غور یہ بات ہے کہ صحابہ کرام کا باوجود مقتضی ہونے کے یعنے عام طور پر سامعین کو تبلیغ و تعلیم کرنا اور کوئی مانع نہونے کے ترجمہ کرنا نہیں تھا مگر صرف اسبات کو مکروہ جاننے کے وجہ سے کہ کوئی شخص عادت نہ ڈالے کسی اور زبانی کی سوائے عربی زبان کے جو کہ شعار اسلام بھی ہے اور لغت قرآن بھی ہے الحاصل پس ترجمہ کرنا خطبہ کا بدترین امور بدعات میں سے ہے ہرگز خدا اور رسول خدا اسپر راضی نہیں ہے اسی وجہ سے علمائے اسلام نے عربی زبان میں خطبہ پڑھنا خطبہ کے صحیح ہوجانے کا شرط بنادیا ہے کہ اسی صورت میں سنت ادا ہوسکتی ہے چنانچہ محدث مشہور حضرت

فی الاذکار فی کتاب حمد اللہ تعالی ویشترط کونھا یعنی الخطبۃ الجمعۃ وغیرھا بالعربیۃ انتھی۔ وقال احمد بن عبد الرحیم المدعو بولی اللہ المحدث الدھلوی فی المصفی شرح الموطا ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہ رضی اللہ عنھم وھلم جرا فتنقیحھا وجود اشیاء فیھا الحمد والشھادتین والصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والامر بالتقوی وتلاوۃ اٰیۃ والدعاء للمسلمین والمسلمات وکون الخطبۃ عربیۃ الی ان قال اما کونھا عربیۃ فلاستمرار عمل المسلمین فی المشارق والمغارب بہ مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون اعجمیین انتھی معربا والاعاجم لا یفھمون معناھا الیوم کما کانوا لا یفھمون ذلک فی اول البعث ثم لم یحوج الخطاب والموذنین والمصلین الترجمۃ مع الکلمات

امام نووی نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ خطبہ جمعہ وغیرہ میں شرط ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو اور حضرت احمد بن عبد الرحیم یعنے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مصفی شرح موطا میں فرماتے ہیں کہ جب ہم نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے خطبات کو دیکھا تو اسکی چھان بین انکے خطبات میں حمد خدا وند برتر کا ہونا اور ذکر شہادتین اور درود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ہونا۔ اور تقوی و پرہیزگاری کا امر کرنا اور تلاوت آیہ کریمہ اور مسلمین و مسلمات کیلئے دعا کرنا اور خطبہ کا عربی زبان میں ہونا ہے اور اسکی دلیل یہ فرمایا کہ خطبہ کا عربی زبان ہونا اسلئے ضروری ہے کہ تمام اہل اسلام کا عمل شرقاً و غرباً اسی پر ہوتا چلا آیا ہے باوجود آنکہ بہت سے اقالیم میں مخاطبین عجمی ہوتے تھے۔ اور عجمی لوگ خطبہ کے معنے کو آجکل بھی نہیں سمجھتے ہیں جسطرح وہ ابتداے اسلام میں نہیں سمجھتے تھے پھر باوجود اسکے خطیب صاحبان اور مؤذن صاحبان اور نمازی لوگ اس بات کی طرف محتاج نہوئے کہ انکو عربی کے باتکے ساتھ ترجمہ کرکے سمجھائیں

العربية ولا الى الاستغناء بالترجمة قط بل اعتاد العجم بتعلم العربية ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون وفي خلط العربية بالعجمية مفسدة اخرى ايضا من تطويل الخطبة وافتنان الناس الذى اغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم اشد الغضب لم يغضب في موضع مثله قط و زجر عن ذلك باشد كلام روى مسلم عن جابر رضى الله عنه كانت صلوته يعني رسول الله صلى الله عليه وسلم قصدا وخطبته قصدا وروى ايضا عن عمار سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان طول صلوة الرجل وقصر خطبته مئنة عن فقهه فاطيلوا الصلوة واقصروا الخطبة فهذا امر منه صلى الله عليه

اور نہ اس بات کیطرف کہ انکو انکی زبان میں بیان کرنے سے بے نیاز کرنے بلکہ عجمیوں نے عربی زبان سیکھنے کی عادت ڈالی تاکہ اللہ تعالے دین محمدی کو تمام ادیان پر غلبہ دے گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔ اور خطبہ عربی کو عجمی زبان میں ترجمہ کرنا دوسری ایک خرابی ہے کہ اس سے خطبہ میں بہت طوالت ہوتی ہے جس سے لوگ پریشان ہوتے ہیں اور وہ ایسی بات ہے کہ جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ پر سخت غضبناک ہوئے ایسے غضبناک کہ کسی موقعہ پر ایسے غضبناک نہیں ہوئے اور بہت تیز الفاظ میں اس سے زجر کی اور روایت کی امام مسلم نے حضرت جابر رض سے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز اور خطبہ بالکل متوسط ہوتا تھا اور روایت کی امام مسلم نے حضرت عمار سے کہ انہوں نے کہا کہ میں سُنا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے کہ بتحقیق کسی شخص کا نماز لمبی پڑھنا اور خطبہ مختصر پڑھنا اسکی دانشمندی پر دلالت کرتا ہے۔ پس اے لوگو نماز کو لمبی پڑھا کرو اور خطبہ کو مختصر کرو پس یہ امر ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا

وسلم نقصر الخطبة ما کان لمؤمن اذ اقضی رسوله امرا ان یتخلف عنه ویکون له الخیرة من امرہ وروی مالک عن یحیی بن سعید ان عبد الله بن مسعود قال لانسان انک فی زمان کثیر فقہاءہ قلیل قراءہ تحفظ فیه حدود القران و ویضیع حروفه قل من یسال کثیر من یعطی یطیلون فیه الصلوة ویقصرون الخطبة یبتدؤن اعمالهم قبل اهوائهم وسیأتی علی الناس زمان قلیل فقهاءہ کثیر قراءہ یحفظ فیه حروف القران وتضیع حدودہ کثیر من یسال قلیل من یعطی یطیلون فیه الخطبة ویقصرون الصلوة یبتدؤن فیه اهواءهم قبل اعمالهم کذا فی الفتاوی لمولینا عبد الحی رحمه الله ولا شبهة فی ان قراءة الخطبة

خطبہ مختصر پڑھنے کا۔ اور کسی ایماندار مرد کو گنجایش نہیں کہ جب اسکو پیغمبر اسکا کسی کام کا حکم دے یہ کہ پیچھے ہٹ جاوے اور اسکو اس کام میں کوئی اختیار رہو۔ امام مالک نے یحیی بن سعید سے روایت کی کہ بیشک عبد اللہ بن مسعود نے ایک شخص سے کہا کہ تم ایک ایسے زمانے میں ہو جسمیں فقہا بہت ہیں اور قاری لوگ کم ہیں۔ حفاظت کیجاتی ہے احکام مقررہ قرآن کی۔ اور چھوڑ دئے جاتے ہیں اسکے الفاظ و حروف۔ اور سوال کرنے والے کم ہیں اور عطا و بخشش کرنے والے بہت ہیں نماز کو لمبی پڑھتے ہیں اور خطبہ کو مختصر کرتے ہیں اور عمل کو اپنی خواہش پر مقدم کرتے ہیں۔ اور عنقریب لوگوں پر ایسا ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اسمیں فقہا بہت کم ہونگے اور قاری لوگ بہت ہونگے اور قرآن مجید کے الفاظ و حروف کی بہت محافظت کیجائیگی اور احکام مقررہ قرآنی ضائع کئے جاوینگے اور سوال کرنے والے بہت ہونگے اور عطا و بخشش کرنے والے کم ہونگے اور خطبہ بہت لمبا پڑھینگے اور نماز بالکل مختصر اور خواہشات نفسانی کو عمل پر مقدم کرینگے اور کوئی شک و شبہہ اسمیں نہیں کہ سوائے عربی زبان کے اور کسی

كلها او بعضها بغير العربية مكروه خلاف السنة المتواترة اذ لم ينقل ذلك من الصدر الاول مع الاحتياج اليه لاسيما حين فتحت الامصار وشاع الاسلام في الديار وعدم فهم الحاضرين العربية لايبيح تغيير الخطبة بل عليهم ان يتعلموا من اللسان العربي بقدر الضرورة وقد ورد في الحديث عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه انه قال تعلموا العربية فانها من دينكم وروى ابوبكر بن ابي شيبة عن عمر بن يزيد انه قال كتب عمر بن الخطاب رضي الله عنه الى ابي موسىٰؓ اما بعد فتفقهوا في السنة وتفقهوا في العربية واعراب القران فانه عربي وقد روى السلفي عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

زبان میں سارا یا کچھ حصہ خطبہ کا پڑھنا مکروہ اور خلاف سنت ہے اسلئے کہ صدر اول یعنے صحابہ کرام سے باوجود ضرورت واحتیاج کے خطبہ کا ترجمہ کرنا منقول نہیں خصوصًا جبکہ بلاد عجم مفتوح ہو کر تمام ملکوں میں اسلام شائع ہوا۔ اور اگر کوئی شخص یہ شبہہ کرے کہ جب سامعین کو خطبہ سمجھ میں نہ آئے تو پھر کیا فائدہ ہوا تو جواب اسکا یہ ہے کہ سامعین کا نہ سمجھنا خطبہ کے مسنون طریقہ کو ہرگز تغیر نہیں دے سکتا ہے بلکہ اُن پر لازم ہے کہ عربی زبانکو بقدر ضرورت سیکھ لیں کیونکہ دین سیکھنا فرض ہے اور ہمارا دین قرآن و حدیث ہے وہ عربی میں ہے۔ لہذا عربی سیکھنا فرض ہوا چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا سیکھو عربی زبان کو اسلئے کہ وہ تمہارے امور دینیہ میں سے ہے اور روایت کی ابوبکر بن ابی شیبہ نے عمر بن یزید سے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عمر نے ابو موسیٰ کیطرف ایک خط لکھا اس میں یہ لکھا کہ اما بعد پس سیکھو سنتکو اور سیکھو عربی زبان کو اور اعراب قرآن کو کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے اور روایت کی سلفی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صؐ نے

من يحسن ان يتكلم بالعربية فلا يتكلم بالعجمية فانه يورث النفاق وما لم يتعلم الناس العربية يكفي لهم الاستماع والانصات اى للخطبة وقال مولينا عبد الحی اللکنوی رحمه الله قد سئلت مرة بعد مرة عن هذه المسئلة فاجبت بانه يجوز عنده (اى عند الامام رحمه الله ۱۲) مطلقا لكن لا يخلو عن كراهة فعارضني بعض الاعزة بان الخطبة انما هي لافهام الحاضرين وتعليم السامعين وهو مفقود في العربية في الديار العجمية بالنسبة الى اكثر الحاضرين فينبغي ان يجوز مطلقا من غير كراهة فقلت الكراهة انما هي لمخالفة السنة لان النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه قد خطبوا دائما بالعربية ولم ينقل عن احد منهم انهم خطبوا خطبة

کہ جو شخص اچھی طرح عربی زبان میں کلام کرسکتا ہو پس وہ ہرگز عجمی زبان میں کلام نکرے کیونکہ وہ مورث نفاق ہے پس حکم یہ ہے کہ جبتک کہ لوگ عربی زبان نہ سیکھینگے تب تک انکو خطبہ سننا اور چپ چاپ رہنا کافی ہے ترجمہ سننا خلاف سنت ہے چنانچہ مولینا عبد الحی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں کہ مجھسے بارہاے بار اس مسئلہ سے سوال کیا گیا تو میں نے جواب دیا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گو مطلقا جایز ہے لیکن کراہت سے بھی خالی نہیں پس معارضہ کیا اسپر میرے بعض عزیزوں نے بایں طور کہ خطبہ نہیں مقرر کیا گیا مگر حاضرین کے سکھلانے اور سمجھانے کیلئے۔ اور وہ بات عربی زبان میں خطبہ پڑھنے سے بعض عجمی ملکوں میں بہ نسبت اکثر حاضرین کے حاصل نہیں ہوتی ہے پس ضرور بلاکراہت جائز ہونا چاہئے۔ تو میں نے جواب دیا کہ کراہت صرف بوجہ مخالفت سنت کے ہے۔ اسلئے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب نے ہمیشہ خطبہ عربی زبان میں پڑھا ہے۔ اور کسی ایک سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے خطبہ جمعہ کے علاوہ بھی کوئی خطبہ

ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية فعاد قائلا في ذلك الزمان والبلدان لم يكن احتياج لتبديل اللسان لان الحاضرين كانوا من العرب ولغتهم كانت لغة العرب واما في هذه البلدان فليس كذلك فيحتاج الى التبديل لذلك فعدت قائلا قد كان يحضر في مجالس الخطب النبوية رجال من الفرس والروم والحبشة والعجم ولم يبدل النبي صلى الله عليه وسلم خطبته ابدا ومن المعلوم ان منهم من لم يكن يفهم لسان العرب مطلقا ومنهم من لا يقدر على فهم الكثير منه وان فهم قدرا قدرا وقد ورد ان النبي صلى الله عليه وسلم لما فرغ من الخطبة في بعض الاعياد وظن انها لم تصل الى اذان النساء لبعدهن حضرهن ووعظهن وخطبهن

غیر عربی میں پڑھا ہو۔ پھر اعتراض کرنے لگا کہ اس زمانے میں اور ان شہروں عربی زبانکو بدلنے کی طرف حاجت نہیں تھی اسلئے کہ حاضرین سب کے سب عرب ہوتے تھے اور انکی زبان عربی ہوتی تھی۔ لیکن ان عجمی شہروں میں وہ بات نہیں انمیں تبدیل لغت عربی کیطرف سخت حاجت ہے۔ پھر میں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں بہت سے لوگ فارس اور روم اور حبش کے جمع ہوتے تھے باوجود اسکے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی تبدیل خطبہ نہیں فرمایا نہ کبھی کسی دوسرے شخص کو اسکی تعلیم و تجویز کی اور یہ بات معلوم ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت لوگ ایسے ہوتے تھے جو کہ مطلقا عربی نہیں سمجھتے تھے۔ اور بعض ایسے بھی ہوتے تھے کہ جنکو بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں اگرچہ کچھ کچھ سمجھ لیتے تھے۔ اور بیشک وارد ہوا کہ نبی کریم ؐ جبکہ فارغ ہوئے خطبہ سے ایک روز عید میں تو خیال فرمایا کہ شاید اس خطبہ کی آواز عورتوں کے کانوں تک بوجہ دور ہونے کے نہیں پہنچی ہوگی تو آپ عورتوں پاس جاکر انکو وعظ اور خطبہ سنایا۔

ولم یرد ولو من روایۃ الافراد انہ عقد لمن لم یکن یفہم العربی مجلسا علیحدۃ
و وعظہم وخطبہم بلغۃ غیر عربیۃ ولا یتوہم انہ لم یکن صلی اللہ علیہ وسلم یعلم
اللغۃ العجمیۃ وغیرہا من اللغات غیر العربیۃ ولو کان علمہا لخطب بہا - لانا
نقول بعد تسلیم ذلک ان بعض الصحابۃ کزید بن ثابت قد کان تعلم اللسان
العجمی والرومی والحبشی وغیرہا من الالسنۃ کما صرح بہ فی الاعلام بسیرۃ النبی
علیہ الصلوۃ والسلام وغیرہ من کتب الاعلام فلم یامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
بان یخطبہم ویعظہم بالسنتہم وبالجملۃ فالاحتیاج الی الخطبۃ بغیر العربیۃ لتفہیم
اصحاب العجمیۃ کان موجودا فی القرون الثلاثۃ ایضا ومع ذلک لم یر واحد

اور یہ بات کسی ضعیف حدیث میں بھی وارد نہیں ہوئی کہ آپ علیہ السلام نے کبھی کوئی
خاص مجلس ان لوگوں کیلئے جو عربی زبان نہ سمجھتے تھے منعقد فرمائی تاکہ انکو انکی زبان میں
وعظ اور خطبہ سُنائے اور یہ وہم نہیں کیا جاسکتا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم عجمی زبان
جانتے نہ تھے اور اگر وہ جانتے تو ضرور انکو انہی کی زبان میں سناتے اسلئے ہم کہتے ہیں کہ
اولا یہ بات ہرگز نہیں ہوسکتی ہے پھر بھی اگر بالفرض تسلیم بھی کیا جاوے تو بھی صحابۂ
کرام میں بہت سے اصحاب عجمی زبان جانتے تھے جیسے حضرت زید بن ثابت انہوں نے
عجمی رومی اور حبشی وغیرہ زبانیں سکھلی تھی چنانچہ اسکی تصریح کتاب الاعلام بسیرۃ النبی علیہ
الصلوۃ والسلام وغیرہ کتب میں موجود ہے پس انہیں سے کسی کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
نے امر نہیں کیا کہ عجمی لوگوں کو انکی زبان میں خطبہ یا وعظ سناؤ - و بالجملہ پس غیر عربی
زبانمیں خطبہ پڑھنی کی ضرورت وحاجت عجمیونکو سمجھانے کیلئے قرون ثلاثہ میں بھی
موجود تھی - لیکن باوجود اسکے کسی نے کسی سے

ذلك عن احد فی تلك الازمنة وھذا اول دلیل علی الکراھة وبوجہ اخر الخطبة بالفارسیة وغیرھا من اللغات الغیر العربیة بدعة وکل بدعة ضلالة والضلالة ادنی درجتھا الکراھة فلا یخلوا الخطبة بغیر العربیة عن الکراھة و وجه کونھا بدعة انھا لم تکن فی القرون الثلاثة مع الحاجة الیھا ولم یکن مانع یمنع عنه بالکلیة لانھم کانوا مقتدرین علی الالسنة العجمیة فاذا کان المقتضی لفعله فی عھدہ علیه السلام موجودا من غیر وجود المانع منه ومع ذلك لم یفعله ولم یحث علیه علم انه لیس فیه مصلحة بل ھو بدعة قبیحة سیئة اذا عرفت ھذا فنقول الخطبة بالفارسیة وغیرھا التی احدثوھا فی ھذا الزمان واعتقد واحسنھا لیس الباعث الا عدم فھم العجم اللغة العربیة

یہ نقل نہیں کیا کہ اس زمانہ میں کسی نے خطبہ میں ترجمہ پڑھا۔ یہ اس امر کی مکروہیت کی پہلے دلیل ہے اور سنئے دوسرے الفاظوں میں کہ خطبہ فارسی یا اور کسی زبان میں سوائے زبان عربی کے پڑھنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی کا ادنی درجہ کراہت ہوتا ہے پس خطبہ ترجمہ کرنا کراہت سے خالی نہو گا۔ اور اسکے بدعت ہونیکی دلیل یہ ہے کہ قرون ثلاثہ میں باوجود ضرورت و حاجت کے یہ کہیں ثابت نہیں ہے۔ اور انکو کوئی چیز اس سے روکنے والی بھی نہیں تھی اسلئے وہ حضرات عجمی زبانوں میں بولنے پر قادر تھے۔ پس جب آنحضرت صلعم کے عہد برکت عہد مقتضی موجود اور مانع مفقود تھا باوجود اسکے آپنے ایسا نہیں کیا نہ کسیکو ایسا کرنیکا ارشاد فرمایا تو معلوم ہوا اسمیں ہرگز کوئی مفید مصلحت نہیں ہے بلکہ یہ سراسر بدعت سیئہ ہے۔ جب تمنے یہ جان لیا تو ہم کہتے ہیں کہ خطبہ کسی غیر عربی زبان میں پڑھنا جسکو اسی زمانے کے بعض لوگوں نے ایجاد کیا اور اسکے اچھا ہونیکا اعتقاد رکھا اسکا باعث عجمی لوگوں کا عربی زبان نہ سمجھنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے

وهذا الباعث قد كان موجودا فی عصر خیر البریة صلی اللہ علیہ وسلم و
انکان فیہ اشتباہ فلا اشتباہ فی عصر الصحابۃ والتابعین ومن تبعھم
من الائمۃ والمجتھدین حیث فتحت الامصار الشاسعۃ والدیار الواسعۃ
واسلم اکثر الحبش والروم والعجم وغیرھم من الاعجام وحضروا مجالس
الجمع والاعیاد وغیرھا من شعائر الاسلام وقد کان اکثرھم لا یعرفون
اللغۃ العربیۃ ومع ذلک لم یخطب لھم احد منھم بغیر العربیۃ ولما ثبت وجود
الباعث فی تلک الازمنۃ وفقدان المانع والتکاسل ونحوہ معلوم بالقواعد
المبرھنۃ لم یبق الا الکراھۃ التی ھی ادنی درجات الضلالۃ والحل فی ھذا
المقام الذی یتم بہ الالزام انہ کما وضعت الخطبۃ للتعلیم وامر الخطباء

اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ باعث دروقت شریف آنحضرت بھی موجود تھا۔ اور اگر بالفرض
اسمیں کسی کو شک ہو تو صحابہ وتابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے زمانے میں ہونے
میں کوئی شبہہ نہیں خاص کر جب دور و دراز بڑے بڑے شہروں کی فتح ہوئی اور اکثر حبشی
اور رومی اور عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوکر جمعہ اور عیدین کی مجالس میں حاضر ہوتے تھے
اور انمیں سے اکثر لوگ عربی زبان نہیں جانتے تھے اور باوجود اسکے بھی کسی صحابی نے انکو
انکی زبان میں خطبہ نہیں سنایا پس جب اس زمانے میں بھی باعث اور سبب موجود تھا
اور کسی مانع اور تکاسل کا مفقود ہو یقینی امر ہے پس کوئی چیز سوائے کراہت کے
باقی نرہی جسکا ادنے درجہ گمراہی ہے اور حل اس مقام کا جس سے الزام پورا ہو جاتا ہے
اسطرح بیان پر ہے کہ جسطرح خطبہ تعلیم کے لئے ہے اور خطیبوں اور علماء کو تفہیم اور
سمجھانیکا امر کیا گیا ہے

والعلماء بالتفهیم کذلک امر الجہلاء بطلب العلم حیث قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم اخرجہ بن عدی والبیہقی من حدیث انس رضـ والخطیب من حدیث الحسین بن علی والطبرانی من حدیث ابن عباس ولما کان اکثر شریعتنا بالعربیۃ یلزم علی الناس ان یتعلموا اللسان العربی بقدر ما یرتفع بہ الحاجۃ فان ما لا یتم الواجب الا بہ واجب ومن ھھنا صرحوا ان تعلیم الصرف والنحو وغیرھما من مبادی العلوم بقدر ما یحتاج الیہ فی فہم الشریعۃ واجب فاذا لم یفہم الحاضرون الخطبۃ العربیۃ فالزام عدم الفہم الیہم لا الی الخطباء ولا یلزم علی الخطباء ان یغیروا اللسان العربی ویخطبوا بلسان یفہمہ الجہلاء۔ ھذا کلہ من اکام النفائس ملخصًا

تو اسیطرح جاہلوں اور بے علموں کو طلب علم اور دین سیکھنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے طلب علم فرض ہے ہر مسلمان پر اسکی روایت ابن عدی اور بیہقی نے حضرت انس سے رضـ اور خطیب نے حضرت حسین بن علی سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے اور جبکہ ہماری اکثر شریعت عربی میں ہے تو تمام لوگوں پر لازم ہے کہ وہ عربی زبان کو بقدر حاجت ضرور سیکھیں۔ اسلئے کہ جس چیز سے کوئی واجب پورا ہو جاتا ہے تو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔ یہیں سے علماء نے تصریح کی کہ صرف ونحو وغیرہ مبادی علوم میں سے اسقدر سیکھنا جس سے شریعت میں ضرورت رفع ہو واجب ہے پس اگر حاضرین کو عربی خطبہ سمجھ میں نہ آوے تو اسکے نہ سمجھنے کا الزام انہی پر عائد ہے نہ خطباء پر۔ اور خطیبوں پر یہ لازم اور ضروری نہیں کہ وہ عربی زبان کو تغیر دیکر جہلاء کو انکی زبان میں سمجھاوے

اقول ولا شك ان الخطبة انما هو التذکیر والتوعیظ لکن کیف نسلم انہ لا یحصل التذکیر والتوعیظ باللغۃ العربیۃ مالم یترجم اذا کان المخاطبون لا یفهمون العربیۃ وقد قال اللہ تعالیٰ فی القراٰن ولقد یسرنا القراٰن للذکر {ای سهلناه للاذکار والاتعاظ} فهل من مدکر {ای متعظ} وقال تعالیٰ فانما یسرناه بلسانک {ای سهلناه بلغتک العربی} لعلهم یتذکرون ای یتعظون ولفظ انما من اداۃ الحصر کما هو محقق فی کتب المعانی و البیان فصار معنی الاٰیۃ ما یسرنا القراٰن الا بلغتک العربی وقال تعالیٰ وانه لتنزیل رب العلمین نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من

میں کہتا ہوں کہ اسمیں کوئی شک نہیں کہ خطبہ میں مقصود اصلی وعظ و نصیحت ہے لیکن یہ کیونکر ہم تسلیم کر سکیں کہ وعظ و نصیحت عربی زبان سے بغیر ترجمہ کے نہیں ہو سکتا ہے۔ جبکہ سامعین عربی نہ سمجھتے ہوں۔ حالانکہ خداوند کریم قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے {یعنے آسان کر دیا ہے نصیحت کرنے اور نصیحت لینے کیلئے} لیکن نصیحت لینے والا بھی ہو۔ اور فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو تیری زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے۔ اسلئے کہ وہ لوگ اسکو یاد رکھکر اس سے نصیحت لیں۔ قابل غور بات ہے کہ لفظ انّما عربی زبان میں حصر کا فایدہ بخشتا ہے جیسا کہ علم معانی و بیان میں محقق ہے پس آیہ کریمہ کے معنے یہ ہوئے کہ ہم نے اس قرآن کو سہل نہیں کیا مگر تیری ہی زبان (عربی) میں دوسری آیت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قرآن اسی کا اُتارا ہوا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے اسکو سچی امانتدار روح یعنے جبرئیل لیکر تیرے دل پر اترا ہے۔ تاکہ صاف عربی زبان میں لوگوں کو

المنذرين بلسان عربي مبين {اى لتكون ممن انذر وابلغة العرب وانذاره
صلى الله عليه وسلم لم يكن مختصا لاهل العرب بل كان عاما لجميع الخلق
كما قال الله تعالى وارسلنك للناس كافة وقال تعالى وارسلنك للناس
رسولا {اى رسولا للناس جميعا} وكفى بالله شهيدا - وقال تعالى تبارك
الذى نزل الفرقان على عبده ليكون للعلمين نذيرا {اى للاولين والاخرين
من الجن والانس - وقال تعالى هو الذى بعث فى الاميين رسولا منهم
يتلو عليهم اٰيته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة وان كانوا من قبل لفى ضلل

خدا کی عذاب سے ڈرائے {یعنے تاکہ تو ان پیغمبروں میں سے ہو جنہوں نے عربی زبان میں
لوگوں کو خدا سے ڈرایا ہے - اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا عذاب الٰہی سے خاص
اہل عرب ہی کو نہیں تھا بلکہ وہ جمیع مخلوقات کو عرب و عجم کو تھا - جیسا کہ اللہ تعالے
فرماتا ہے کہ اے ہمارا پیغمبر بھیجا ہم نے تجھکو تمام لوگوں کے طرف - دوسری آیت میں
فرماتا ہے کہ اے پیغمبر ہم نے تجھکو تمام لوگوں کیطرف رسول بنا کر بھیجا - اللہ کی گواہی تیری
پیغمبری پر بس کرتی ہے - پھر ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ بڑی برکت والا وہ خدا جس نے
اپنے بندے {حضرت محمدؐ} پر قرآن اتارا اسلئے کہ وہ سارے جہانکو ڈرانے والا ہو {یعنے
اولین و آخرین جن و انسان کو اسی سے انکی رسالت و نبوت عامہ ثابت ہوئی - اور ایک
آیت میں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ وہی خدا ہے جس نے عرب کے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں کا
ایک پیغمبر بھیجا وہ انکو اللہ کی آیتیں پڑھکر سناتا ہے - اور انکو شرک اور کفر کی گندگی
سے پاک کرتا ہے - اور انکو اللہ تعالے کی کتاب اور دانائی اور عقلمندی کی باتیں سکھلاتا ہے
اور وہ لوگ اس پیغمبر کے آنے سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے

مبین واخرین منہم لما یلحقوا بہم { وہم الذین جاء وا بعد الصحابۃ الی یوم الدین فان دعوتہ وتعلیمہ صلی اللہ علیہ وسلم تعم جمیع الناس الی یوم القیمۃ } واللہ تعالی وان ختم بہ الرسالۃ والبشارۃ والنذارۃ والنبوۃ لکنہا باقیۃ موجودۃ الی یوم القیمۃ بواسطۃ خلفائہ ونوابہ و ورثائہ من العلماء العاملین وکل عالم عامل یبلغ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام الدین ولا یسوغ للنائب ان یغیر کلام المنیب بکلامہ اصلا بل یجب علیہ الاتباع فی الامور کلہا فرعا کان او اصلا ۔ وعلی ھذا نقول یلزم علی الخطباء فی جمیع الحالات ان لا یخالفوا ھدی النبی علیہ الصلوات ترجمتہم بالخطبات فی الاعیاد والجمعات وبعد وا ھذا الفعل من البدعات

اور اللہ تعالے نے اس پیغمبر کو دوسرے لوگوں کیطرف بھی بھیجا ہے جو ابھی ان لوگوں سے نہیں ملے { دوسرے لوگوں سے مراد تمام جہان کے لوگ ہیں جو قیامت تک پیدا ہونگے } اسلئے کہ آپ کی دعوت قیامت تک تمام لوگوں کو عام ہے - اللہ تعالی نے اگرچہ نبوت و رسالت اور بشارت ونذارت کو انکی ذات مبارکہ سے ختم کیا ہے لیکن وہ انکی رسالت بواسطہ انکے خلیفوں اور نائبوں اور وارثوں یعنے علماء کے قیامت تک باقی ہے اور ہر عالم عامل آپ کی طرف سے تبلیغ احکام دین کر رہا ہے - اور نائب کو ہرگز یہ بات جایز نہیں کہ منیب کے کلام کو اپنے کلام سے بدل دے - بلکہ اسپر واجب ہے کہ تمام امور اصل و فرع میں آپ ہی کا اتباع کرے ۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہے کہ خطیبوں پر لازم ہے کہ وہ کسی حالت میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ شریفہ اور طرز عمل کا خلاف امت محمدیہ کے جمعہ اور عیدوں کے خطبوں کو ترجمہ کرنے سے ہرگز نکریں - اور اس کام کو کرنا بدعت سیئہ میں سے جانیں

السیئات لکونه مخالفا لسنته ولم یوجد له نظیر فی القرون المشهود لهم بالخیرات ویعلموا ان اتباع الرسول من المنجیات والاختراع بهوی النفس فی العبادات من المهلکات ۔ والعجب کل العجب من الذین یهدیهم جهلهم الی اتباع الهوی یعرضون عن اداء صلوٰة التراویح بعشرین رکعة مع کونها سنة مؤکدة متوارثة من السلف والخلف کما اثبتناه بالدلائل القویة من الاحادیث والآثار الصحیحة ویترجمون الخطبة مع کونها بدعة سیئة مخترعة لاثبوت له عند القرون المشهود لهم بالخیر والصلاح کما بُیّن مبرهنا بالدلائل ۔ فاوصیهم بتقوی اللّٰه وترک الجهل

اسلئے کہ یہ کام سراسر سنت کے خلاف ہے ۔ اور اسکی نظیر خیر القرون یعنے صحابہ و تابعین میں کہیں نہیں ہے ۔ اور اس بات کو اچھی طرح سمجھیں کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہی عذاب الٰہی سے بچانیوالی ہے ۔ اور بخواہش نفس عبادات میں کوئی نئی بات نکالنا ہلاک کر دینی والی ہے ۔ اور کسقدر تعجب کی بات ہے کہ وہ لوگ جنکو اپنا جہل اتباع ہوی کیطرف رستہ دکھاتا ہے صلوٰۃ تراویح بیس بیس رکعتیں پڑھنے سے اعراض کرتے ہیں باوجود اس کے کہ وہ سنت مؤکدہ متقدمین سے لیکر متاخرین تک متوارث ہے جیسا کہ ہم نے قوی دلیلوں یعنے احادیث و آثار صحیحہ سے ثابت کر دیا ہے اور خطبہ کو ترجمہ کرتے ہیں حالانکہ وہ سراسر بدعت سیئہ ہے محض ایجاد بندہ ہے جسکی دلیل قرون ثلاثہ میں پائی جاتی ہے ۔ نہ اسکا ثبوت محدثین و مجتہدین کے یہاں ہے ۔ جیسا کہ ہم نے بدلائل ثابت کیا ہے ۔ پس میں ان لوگوں کو از روے خیر خواہی کے اللہ سے ڈرنے اور جہالت کو ترک کرنے

والاتباع بالسلف لان الخیر کلہ فی الاتباع لھم کما قال اللہ تعالیٰ
والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ۰ اللھم
اجعلنا منھم واحشرنا معھم برحمتک یا ارحم الرّاحمین

اور سلف صالحین کی پیروی کرنے کی وصیّت کرتا ہُوں۔ اسلئے کہ تمام خیریت انہی کے اتباع میں ہے جیساکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ انکی (یعنے صحابہ کی) پیروی کی اللہ تعالےٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اسمیں سارے مسلمان قیامت کے دن تک داخل ہیں جو کہ صحابہ کے طریق پر عمل پیرا ہیں۔

مسائل ضروریہ متعلق تراویح

مسئلہ جس رات کو رمضان شریف کا چاند دکھایا جاوے اس رات سے تراویح پڑھنا شروع کرے۔ اور جس رات کو عید کا چاند ثابت ہو جاوے اس رات سے چھوڑ دے مسئلہ نماز تراویح سنت علی الکفایہ ہے یعنے محلہ کی مسجد میں اگر جماعت نہو تو سب محلہ والے ترک سنت کے گناہ میں گرفتار ہونگے۔ مسئلہ عشاء کے فرض و سنت کے بعد بیس رکعتیں باجماعت تراویح میں سنت ہے۔ بعض لوگ جو آٹھ یا بارہ رکعتوں کو تراویح بتلاتے ہیں غلطی پر ہیں وہ تہجد کی تعداد رکعت ہے مسئلہ اگر حافظ بلا معاوضہ پڑھنے والا ملجائے تو تمام رمضان شریف میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کرنا سنت ہے کاہلی سے ترک نکرنا چاہئیے۔ اور اسقدر زیادہ پڑھنا جس سے مقتدیوں کو تکلیف ہو مکروہ ہے مسئلہ بیس رکعت تراویح دس سلام سے پڑھنا چاہئیے اور ہر چار رکعت کے بعد اتنی دیر تک پڑھنا جتنی دیر میں یہ چار رکعتیں پڑھی ہیں مستحب ہے۔ اور اس بیٹھنے میں اختیار ہے کہ تسبیح پڑھے یا الگ نفل پڑھے یا چپ بیٹھا رہے مسئلہ اگر تراویح میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پوری چار پڑھکر سلام

پھیرا نوان چاروں کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہیئے **مسئلہ** جس شخص سے دو چار رکعتیں تراویح کی رہ گئی ہوں وہ امام کیساتھ وتر با جماعت پڑھ لے۔ اور اسکے بعد اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے **مسئلہ** جس شخصکو عشاء کا فرض با جماعت نہ ملے وہ بھی وتر کو امام کیساتھ پڑھ سکتا ہے **مسئلہ** جو حافظ روپیہ کی طمع میں قرآن مجید سناتا ہے اس سے وہ امام بہتر ہے جو چھوٹے چھوٹے سورۂ شریفہ الم ترکیف سے پڑھاوے **مسئلہ** اگر اجرت مقرر کر کے قرآن مجید سنایا جاوے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو۔ اگر پہلے سے مقرر نہ تھا مقتدیوں نے بعد ختم کے کچھ دیدیا تو ہمیں کچھ مضایقہ نہیں بلکہ ثواب ہے **مسئلہ** اسقدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے بعض صاحب تو ایسا پڑھتے ہیں کہ کہیں کہیں سوائے یعلمون تعلمون کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے ایسے اشخاص اس شعر کے مصداق ہیں ؎ گر تو قرآن بدین نمط خوانی ہبری رونق مسلمانی پھر نہ رکوع وسجود کی رعایت ہے نہ قومہ وجلسہ کی ایسے پڑھنے سے بھی نہ امام کو کچھ ثواب ہے نہ مقتدیوں کو بلکہ سب گنہگار ہوتے ہیں **مسئلہ** علماء نے فرمایا ہے کہ تراویح درمیان درمیان پڑھنا چاہئے نہ ایسا ٹھہر کے جیسا فرض نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ نہ ایسا جلد کہ مقتدیوں کی سمجھ میں نہ آوے مقتدیونکو کمال سعی کرنی چاہیئے کہ ایسے امام کو معین کریں جو کہ قرآن شریف اچھا پڑھتا ہو اور مسایل ضروریہ سے بھی واقف ہو **مسئلہ** اگر محلے کی مسجد میں امام اچھا نہ پڑھتا ہو یا زیادہ پڑھتا ہو کہ مقتدی کو اُس قدر سننا گران گذرتا ہے تو اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا جہاں اچھا اور متوسط پڑھنے والا ہو درست ہے **مسئلہ** امام کو چاہئے کہ ہر دوگانہ میں التحیات اور درود اور دعا پڑھے جیسے اور سنتوں اور فرضوں کے قعدۂ آخر میں پڑھی جاتی ہے۔ مگر جب جانے کہ مقتدیوں کو تکلیف ہوگی تو دعا میں اختصار کر سکتا ہے۔ مگر قوم کی تکلیف کے خیال سے قرآن شریف جلد پڑھنا یا تعدیل ارکان نکرنا رکوع وسجود پورا نکرنا جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ اور سبحانک اللھم کا نہ پڑھنا اور رکوع وسجود کی تسبیح کا ترک کرنا بھی مکروہ ہے **مسئلہ** بعض لوگ اسقدر بیٹھے رہتے ہیں کہ جب امام رکوع کے قریب ہوتا ہے تب اٹھکر شریک ہوتے ہیں یہ کام نہایت قبیح اور نامناسب ہے ختم کلام اللہ کا ثواب ایسے کاہل لوگوں کو ہرگز نہیں ملیگا یہ طریقہ منافقین کا ہے جو کہ اس آیہ کریمہ کے مصداق ہیں واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالی **مسئلہ** امام کو چاہئے کہ ختم کلام اللہ کی رات کو انیسویں رکعت میں قل اعوذ برب الناس پر ختم کرے اور بیسویں میں الحمد اور سورۂ بقرہ کی چند آیتیں پڑھکر رکعت پوری کرے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح یعنے آدمیوں میں وہ شخص بہتر ہے جو قرآن مجید کو تمام کر کے پھر شروع کردے۔ امام دارمی ابی بن کعب سے روایت

کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب قل اعوذ برب الناس پڑھ چکتے یعنے قرآن مجید ختم فرماتے تو الحمد سے پھر شروع کرکے سورۂ بقرہ المفلحون تک پڑھتے تھے اس سے ظاہر ہوا کہ ایسا کرنا موافق سنت ہے - البتہ بعض حفاظ جو المفلحون تک پڑھکر اور آیتیں مختلف مقام کی پڑھتے ہیں اسکا کہیں ثبوت نہیں پایا جاتا ہے **مسئلہ** تمام قرآن مجید میں سے کسی سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا باآواز بلند پڑھنا ضروری ہے تاکہ مقتدیوں کو پورے کلام اللہ کا ثواب ملجاوے کیونکہ یہ بھی قرآن مجید کی ایک آیت ہے - مناسب ہے کہ سورۂ اخلاص کے شروع میں بسم اللہ باآواز بلند پڑھی جاوے جیسا کہ معمول ہے -

فہرست مضامین کتاب تنویر المصابیح لرکعات التراویح

صفحہ	مضمون
۲	خطبہ رسالہ
۳	تمہید
۴	سبب تالیف رسالہ
۶	اصل قیام رمضان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے -
۷	تراویح مسجد میں باجماعت پڑھنا گھر میں تنہا پڑھنے سے افضل ہے
۸	نبی کریم ؐ نے فرض ہونے کے خوف سے تراویح کو جاری نرکھا
۹	نماز تراویح اور تہجد الگ الگ دو نمازیں ہیں
"	نماز تہجد ابتداء اسلام میں فرض تھی آخر میں نفل کردی گئی
۱۰	تحقیق معنے تہجد جس سے اسکے تراویح سے ممتاز ہونا ثابت ہوتا ہے
۱۱	نماز تراویح کسی وقت میں فرض نہ تھی
۱۲	نماز تراویح رمضان شریف کے ساتھ ہی مخصوص ہے بخلاف تہجد وہ سال بھر کیلئے ہے
۱۲	حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان رکعات تہجد نکلتا ہے
"	تحقیق عدد رکعات تراویح
"	حدیث عائشہ رض سے تراویح کے آٹھ رکعت ہونے پر استدلال کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے
۱۳	شوافع نے حدیث عائشہ رض کو وتر پر حمل کیا ہے
"	امام بخاری نے کیوں حدیث عائشہ رض کو موخر کیا
۱۴	حضرت نبی کریم ؐ رمضان شریف میں بنسبت اور مہینوں کے زیادہ عبادت کرتے تھے
۱۵	جس حدیث سے تراویح میں آٹھ رکعتیں ثابت کئے جاتے ہیں وہ بوجہ ضعف کے قابل استدلال نہیں ہے
"	عیسے بن جاریہ کے متعلق محدثین کی رای
۱۶	حدیث ابن عباس کا ضعف
۱۷	حدیث مذکور کے متعلق مولینا شاہ عبدالعزیز دہلوی و مولوی عبدالحی کی رای
۱۸	حافظ ابن حجر کے قول کا جواب
۱۹	علامہ سیوطی کے اقوال کا جواب
۲۱	متعارض دو حدیثوں میں امام ابوداؤد کا فیصلہ
۲۲	حدیث ابن عباس کے عمل صحابہ سے مؤید ہونے پر مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب کا استدلال
۲۸	عمل خلفاے راشدین سنت مؤکدہ ہے
۲۹	سنت کی تعریف از علامہ ابن قیم ؒ و علامہ ابن تیمیہ ؒ
۳۰	آٹھ ہی رکعت تراویح پڑھنے والا تارک سنت ہے
"	خلفاے راشدین و صحابہ نے ارشاد اور عملی طور سے جماعت تراویح پر مواظبت کی ہے

صفحہ	مضمون
۳۳	تحقیق معنے بدعت
۳۸	حدیث کل بدعۃ ضلالۃ کی تفصیل و تشریح
۳۹	بدعت ضلالہ کی مثال
۴۱	بدعت حسنہ کی مثال
۴۲	تعدد جمعہ کے متعلق علامہ ابن تیمیہ سے نقل
〃	وعظ خوانی کی ابتدا خلفاء کے زمانہ سے ہے
۴۳	حدیث کل بدعۃ ضلالۃ کی شرح از علامہ ابن تیمیہ رح
۴۴	جماعت تراویح کے سنت ہونے پر امام شوکانی کے دلائل
۴۵	اسکے متعلق اور محدثین کے اقوال
۴۶	حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا سوال و جواب
۴۷	حضرت ابو بکر صدیق رض کا سنت تراویح کو جاری نکرنے کی وجوہات
۴۸	حضرت عمر رض نے کس سنہ میں اس سنت کو جاری کیا
۴۸	حضرت ابی ابن کعب رض لوگوں کو کتنے رکعتیں پڑھاتے تھے اسکے متعلق محدثوں کے اقوال
۴۹	حضرت عمر رض نے ابی ابن کعب رض کو تراویح بیس رکعت پڑھنے کی تجویز فرمائی۔
۵۲	موطاء امام مالک کی روایت پر بعض غیر مقلدوں کا اعتراض اور اسکا جواب
〃	حدیث منقطع اور متصل کی تعریف
۵۴	موطاء امام مالک کے سارے احادیث کی صحت پر محدثین کا اتفاق
۵۴	جمع بین الاحادیث میں محدثین کے اقوال
۵۷	نواب صدیق حسن خان نے عمل اہل مکہ کو امام قسطلانی سے نقل کیا ہے
۵۸	حضرت امام شافعی کے نزدیک تراویح میں بیس رکعتیں ہیں
۵۹	حضرت امام احمد حنبل کے نزدیک بھی تراویح میں بیس رکعتیں ہیں
〃	نقل مذاہب محدثین متعلق رکعات تراویح
〃	کسی محدث نے آٹھ رکعت کو تراویح میں اختیار نہیں کیا

صفحہ	مضمون
۶۱	حضرت علی مرتضیٰ رض نے بھی بیس رکعتیں تراویح پڑھنے کا امر کیا ہے
۶۲	حضرت عبد اللہ ابن مسعود رض چوبیس رکعتیں تراویح پڑھا کرتے تھے۔
〃	مناقب عبد اللہ بن مسعود باحادیث و آثار
۶۳	اتباع صحابہ بموجب ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم واجب ہے
〃	حضرت عمر بن عبد العزیز رح کا ارشاد
۶۵	تراویح کے بیس رکعت ہونے پر اجماع صحابہ کا منعقد ہونا دلیل ہے کہ یہ عدد انکے پاس نبی کریم سے محفوظ ہے
〃	تراویح کے بیس رکعت ہونے کو بدعت قرار دینا سراسر جہل و گمراہی ہے
〃	تابعین میں سے کون کون حضرات تراویح میں بیس رکعت کے قائل ہیں
۶۶	علامہ ابن قیم رح بیس رکعت کے قائل ہیں
۶۸	علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ تراویح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عدد مقرر شدہ ہے وہ خطا پر ہے
〃	نواب صدیق حسن خان صاحب جمہور سے طریق ادای نماز تراویح نقل کرتے ہوئے اپنی رای ظاہر کرتے ہیں
۷۰	حضرت عمر رض کو احداث بدعت میں نہایت احتیاط تھی۔ اسکے ثبوت میں شواہد و دلائل
۷۱	صاحب امداد اللہ فرماتے ہیں کہ تعئین عدد رکعات ان امور میں سے ہے کہ قیاس کو اسمیں دخل نہیں
۷۳	ختم رسالہ تراویح و شروع ضمیمہ متعلق ترجمہ خطبہ جمعہ
〃	استفتاء متعلق ترجمہ خطبۂ جمعہ
۷۴	جواب استفتاء
۷۶	خطبہ کا ترجمہ پڑھنا بلاشک بدعت ہے جو کہ خیر القرون کے بعد پیدا ہوا ہے
۷۷	خلفاء راشدین کے عہد میں بہت سے لوگ خطبہ کی مجالس میں ہوا کرتے

صفحہ	مضمون
	تھے باوجود اسکے انہوں نے ان کے سمجھانے کیلئے ترجمہ نہیں کیا۔
۷۸	جو دلیل آجکل کے لوگوں نے جواز ترجمہ کیلئے گھڑلی ہے اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ طریق تبلیغ نہ آنحضرت کو معلوم تھا نہ خلفا کو (العیاذ باللہ)
〃	عربی زبان کے شعار اسلام ہونیکے وجہ سے علماء نے خطبہ کے عربی زبان میں ہونے کو شرط صحت خطبہ قرار دی ہے
۷۹	حضرت مولینا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی شرح موطاء میں فرماتے ہیں کہ خطبہ کا عربی زبان میں ہونا اسلئے ضروری ہے کہ تمام اہل اسلام کا عمل شرفاء و غربا اسی پر ہوتا چلا آیا ہے
۸۰	خطبہ کے ترجمہ پڑھنے میں اور ایک خرابی لازم آتی ہے
۸۳	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص عربی اچھا پڑھ سکتا ہو وہ پھر عجمی زبان استعمال میں نہ لاوے اس سے نفاق پیدا ہوتی ہے۔
〃	حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگرچہ جایز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں
۸۵	یہ وہم ہرگز کوئی شخص نکرے کہ نبی کریم چونکہ عجمی زبان نہ جانتے تھے اسلئے ترجمہ نکرتے تھے
۸۷	جسطرح خطیبوں کو تفہیم و تعلیم کا ارشاد ہوا ہے۔ اسی طرح جہلا کو علم دین سیکھنے کا ارشاد ہوا ہے
۸۹	آیات قرآنی سے خطبہ کو ترجمہ نہ کرنے کا ثبوت
۹۲	ترک جہل اور اتباع سنت کی وصیت
۹۳	مسائل ضروریہ متعلق تراویح
۹۵	فہرست رسالہ